رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۷ جولائی سنہ ۱۹۳۳ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا علمی رسالہ
اراکین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

عدد ۱	ماہ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ جولائی سنہ ۱۹۳۳ء	جلد ۳۲

مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

دین و دانش کی دنیا کا مہر انور ۳ صفر ۱۳۵۲ھ (۲۹ مئی ۱۹۳۳ء) کی صبح کو دیوبند کی خاک مین ہمیشہ کیلئے غروب ہوگیا یعنی مولنا سید انور شاہ صاحب جانشین شیخ الہندؒ و صدر المدرسین دار العلوم دیوبند نے دو برس کی علالت اور ضعف و نقاہت کے بعد، ۵۰ برس کی عمر مین وفات پائی، مرحوم کا وطن گو کشمیر تھا، مگر تعلیم سے فراغت کے بعد ایک مدت تک مدینہ منورہ مین اقامت فرمائی، پھر واپس آکر استاد کی خواہش اور اصرار سے دار العلوم کی صدارت کی ذمہ داری قبول فرمائی، اور جسکو حضرت شیخ کے زمانۂ جنگ مین ہجرت کے بعد سے ۱۹۲۹ء تک اس طرح انجام دیا کہ چین سے لیکر روم تک ان کے فیضان کا سیلاب موجین لیتا رہا، اور ہند اور بیرون ہند کے سینکڑون تشنگان علم نے اس سے اپنی پیاس بجھائی،

مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے، انکی مثال اس سمندر کی سی تھی جسکی اوپر کی سطح ساکن، لیکن اندر کی سطح موتیون کے گران قیمت خزانون سے معمور ہوتی ہے، وہ وسعت نظر، قوت حافظہ اور کثرت حفظ مین اس عہد مین بے مثال تھے، علوم حدیث کے حافظ و نکتہ شناس، علوم ادب مین بلند پایہ، معقولات مین ماہر، شعر و سخن سے بہرہ مند، اور زہد و تقوی مین کامل تھے، اللہ تعالی اپنی نوازشون کی جنت مین ان کا مقام اعلی کرے، کہ مرتے دم تک علم و حرفت کے اس شہید نے قال اللہ اور قال الرسول کا نعرہ بلند رکھا،

۱۹ جون کی صبح کو مشرقی ہند کے مرکزی شہر پٹنہ کے جسم سے روح نے مفارقت کی، سر فخر الدین وزیر تعلیمات جو وہان کے سب سے زیادہ ہر دلعزیز مسلمان تھے ۶۵ برس کی عمر مین وفات پائی، ان چند مہینون کے اندر اس شہر کے وہ پرانے نئے تعلیم یافتہ اصحاب جو وہان کی مجلس کی شمع بزم افروز تھے، ایک ایک کر کے رخصت ہوگئے، سر علی امام کی وفات پر سیاسی تدبر و قابلیت کا ماتم ہوا، حسن امام کے مرنے پر قانونی دانی کا نوحہ پڑھا گیا، لیکن سر فخر الدین کی رحلت پر انسانیت اور انکی شرافت کا ماتم ہے، مرحوم نیکدل، متواضع، فیاض، مشرقیت پسند اور دیندار تھے، اسی لئے انکی وفات پر پورے

صوبہ نے ماتم کیا، شہر کے سب سے بڑے میدان مین پورے شہر نے نماز جنازہ پڑھی، اور صوبہ کے سب سے مقدس مقام پھلواری شریف مین اپنے مرشدین کے مقبرہ مین جگہ پائی، اللہ تعالی مرحوم کی روح پر اپنی مغفرت کے پھول برسائے،

نظام دکن کی مجلس مین فرمانروایان اودھ کی بزم دوشین کا ایک ٹمٹماتا چراغ مدت سے جل رہا تھا، افسوس کہ وہ ۳۰ مئی ۱۹۳۳ء کی شب کو رونق دہر کی بیاسی بہارین دیکھکر ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا، مولنا علی حیدر نظم طباطبائی لکھنوی المخاطب بہ نواب حیدر یار جنگ بہادر نے بیاسی سال کی عمر مین وفات پائی، لکھنؤ وطن تھا، آخیر شاہان اودھ کے دربار کی خزان دیکھی تھی، مٹیا برج کلکتہ کی شاعرانہ مجلسون کی یادگار تھے، علوم عربیہ کے علاوہ شعر و سخن کے فنون پر کامل عبور رکھتے تھے، اس عمر کے باوجود اخیر تک علمی کامون مین مصروف و منہمک رہے، اللہ تعالی کرم فرمائے،

اس ماہ کے شذرات کا صفحہ وفات نامہ ہوا چاہتا ہے، مگر احسان فراموشی ہوگی اگر ملک کے سب سے بوڑھے صحیفہ نگار مولوی محبوب عالم اڈیٹر پیسہ اخبار کا ماتم نہ کیا جائے، ۲۸ مئی کو انھون نے اس دار فانی کو الوداع کہا، وہ اردو کے سب سے پہلے روزانہ اخبار (پیسہ اخبار) کے اڈیٹر تھے، انھون نے صرف اپنی محنت و کوشش سے سرمایہ حاصل کیا، اور ملک مین تاریخ اور سیاحت نامون کے پڑھنے کا ذوق پیدا کیا، اور خود بھی دو سفر کئے، اور سیاحت نامے لکھے، مگر افسوس کہ اب انکو وہ سفر پیش آیا ہے، جسکا سفرنامہ انسانون کے ہاتھ نہین فرشتون کے ہاتھ لکھتے ہین، اس ان دیکھی منزل کے بوڑھے مسافر پر اللہ تعالی کی رحمت ہو، مرحوم نے ۸۴ برس کی عمر پائی،

اردو کے ایک اور کہنہ صاحب قلم استاد کی وفات پر دو آنسو بہانا ہے، ایک زمانہ تھا کہ انکی انشا پردازی اور نکتہ نوازی پر ملک کے اچھے اچھے اہل قلم رشک کرتے تھے، مگر افسوس کہ نوجوانون نے اسکو بھلا دیا، یہ خان بہادر ناصر علی مدیر صلاے عام دہلی تھے، مرحوم نے عمر کی چھیاسی بہارین دیکھکر ۱۲ جون کو دہلی مین وفات پائی، ان کے قلم مین جو نزاکت اور ان کے انشا مین جو لطافت تھی وہ اب بھی ہماری زبان کا سرمایہ ہے، مگر افسوس ہے کہ آخر مین وہ ساری جگر کاوی ان ناقدر شناس انگریز افسرون کے لیے کرتے تھے، جو ہندوستانی کو امتحان کے لیے سیکھتے تھے اور انکی یہ ادبی کوششین عام نگاہون سے چھپکر رہ گئی تھین، خدا اپنے دربار مین ہمارے اس بوڑھے صاحب قلم کی آبرو رکھے،

لوگون کو یاد ہوگا کہ ٹرکی مین ہماری سیرۃ النبی اور سیر الصحابہ کے ترجمہ کا کام شروع ہوا تھا، اور انکی متعدد جلدین ترکی مین ترجمہ ہو کر وہان مقبول ہو چکی ہین، لیکن ٹرکی مین دو برس سے جب سے عربی حروف کے بجائے لاطینی حروف کو رواج دیا گیا، ادھر سے خاموشی رہی، خیال ہوا کہ شاید حروف کی تبدیلی سے خیالات مین بھی تبدیلی آگئی ہے، ابکے اس ہفتہ مین قسطنطنیہ سے مترجم مذکور کا ایک عربی خط آیا، جس سے پہلے خیال کی غلطی دور ہوئی، انہین موصوف نے سیرت کی جلد چہارم اور سیر الصحابہ کے حصص مہاجرین کی جلدین ترجمہ کی غرض سے طلب کی ہین، اسی خط مین وہ لکھتے ہین کہ سیر الصحابہ مین سے انصار، مہاجرین جلد اول اور صحابیات کا ترجمہ وہ تمام کر چکے، فالحمد للہ،

ہم نے ہندوستان مین عربی زبان کی ترقی و اشاعت کی غرض سے آج سے ایک سال پہلے الضیاء کے نام سے لکھنؤ سے جو ماہانہ عربی رسالہ نکلوایا تھا، خدا کا شکر ہے کہ اس نے ایک سال کی عمر طے کر کے دوسرے سال مین قدم رکھا، ہندوستان کے دو سو شائقین نے اسکو خرید کر اپنی قدردانی کا ثبوت دیا، ساتھ ہی ہماری تحریک پر حسب ذیل اصحاب نے اس کے اجرا مین مالی امداد دیکر اسکی طبع و اشاعت کی مشکلات کو آسان کیا،

۱- نواب سر مزمل اللہ خان بہادر، بھیکن پور، علی گڈھ، مار

۲- نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی حبیب گنج علی گڈھ، صہ

۳- مولنا ضیاء الحسن علوی ندوی، انسپکٹر مدارس عربیہ، الہ آباد، صہ

۴- مولنا عبد الباری ندوی، پروفیسر جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن، عہ

۵- خاکسار سید سلیمان ندوی، مار

اس ایک سال کے عرصہ مین اس رسالہ نے ہندوستان اور دیگر ممالک عربیہ مین جو عزت و منزلت حاصل کی، اور ہندوستان کے مسلمانون کے عربی ذوق کا جو ثبوت بہم پہنچا یا وہ ہماری توقع سے زیادہ ہے، ضرورت ہے کہ اس مقدس زبان کی اشاعت کے قدرشناس رسالہ کی دوسری منزل مین بھی ہمارا ہاتھ بٹائین،

مقالات

اردو کیونکر پیدا ہوئی،

(ناگری پرچارنی سبھا بنارس کیلئے لکھا گیا)

ہندوستان کی ادبی تاریخ کا حال جب سے ہم کو معلوم ہے یہ نظر آتا ہے کہ اس ملک مین کبھی ایک بولی نہین بولی گئی، درحقیقت یہ ملک ایک براعظم ہے، جسمین ہر زمانہ مین مختلف قومین، اور مختلف نسلین جو مختلف بولیان بولتی تھین، آباد تھین، آباد ہین، اور آباد رہینگی، دنیا کی زبانون کی تین مشہور اصلین، آریائی، تورانی اور سامی تینون یہان دوش بدوش ملی جلی ملتی ہین، ڈریویڈی زبانون کی اصلیت تورانی بتائی جاتی ہے، صوبون کی دوسری زبانین آریائی ہین، اور عربی کی شمولیت سامی اثر کا نتیجہ ہے،

چند مشہور راجاؤن کے زمانون کو چھوڑ کر جو ملک کے اکثر حصہ پر حکمران رہے، اکثر ہندوستان کا یہی حال رہا کہ اس کے مختلف صوبے مختلف مستقل ریاستون کی صورت مین رہے، ان صوبون کی وسعت راجہ کی قوت اور فتوحات کے دائرہ کی کمی بیشی کے لحاظ سے گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، ہر ریاست کی زبان اس کے صوبہ کی مقامی زبان تھی، اور وہی گویا سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی تھی، اب جسقدر اس ریاست کا دائرہ ہوتا، اسی حد تک اس زبان کا جغرافی دائرہ کبھی گھٹ جاتا، اور کبھی بڑھ جاتا،

مثلاً دیکھئے کہ اودھ کی بولی، برج کی بھاشا، مگدھ کی زبان، اطراف دہلی کی ہریانی یہ چارون ہمسایہ ہین مگران کی حدین اپنی سلطنتون کی حدون سے وابستہ نظر آتی ہین، مگدھ (بہار) کی بودھ سلطنت جسکا دار السلطنت

باتی پتر (پٹنہ) تھا، جب ہندوستان پر چھا گئی، تو اسکی زبان بھی ہندوستان کی عام سرکاری زبان بنگئی، اور آج اسی مگدھ کی باتی زبان کے کتبے پشاور سے لیکر مہاراشٹر کے کنارون تک ملتے ہین،

ہندوستان مین سندھ سے لیکر گجرات تک کا علاقہ ہمیشہ ایرانیون اور عربون کے جہازون کا گذرگاہ رہا، اور اسی کا اثر تھا کہ جہازیون کے ساتھ ساتھ انکی زبانون کے اثرات بھی خاموشی کے ساتھ پھیلتے رہتے تھے، خصوصاً سندھ وہ صوبہ تھا جو اکثر ایران کی سلطنت کا جز بنتا رہا، اور خلیج فارس کے تمدن سے متاثر ہوتا رہا، سندھ کے آثار قدیمہ کی موجودہ تحقیقات اس نظریہ کی صداقت کو روز بروز آشکارا کرتی جا رہی ہے،

بہرحال آریائی زبان کی دوسری شاخ ایرانی یا فارسی کا اثر سندھ سے لیکر گجرات تک وسیع تھا، اس کے بعد پہلی صدی ہجری کے خاتمہ کے قریب ساتوین صدی عیسوی مین فتح فارس کے بعد عربون نے بھی، ایرانی سلطنت کے جانشین کی حیثیت سے سندھ پر قبضہ کیا، اور ان کے جہازات خلیج فارس کے اُبلہ، سیراف اور بصرہ نامی بندرگاہون سے نکل کر سندھ، گجرات اور ملیبار ہو کر چین تک جانے لگے، ان جہازون کے چلانے والے، فارسی اور عربی بولتے تھے، اس کا اثر یہ ہونا چاہئے تھا کہ ہندوستان کے جن بندرگاہون سے یہ گذرتے ہون وہان انکی زبانون کے کچھ لفظ منتقل ہو جائین، اور وہان کی مقامی زبانون کے کچھ لفظ ان جہازیون کی زبانون پر چڑھ جائین، چنانچہ اسکی مثالین عرب سیاحون اور ملاحون کی زبانون مین ملتی ہین، چنانچہ آج بھی ہندوستانی جہازون کے ذریعہ ہندوستانی زبان، افریقہ، عرب، عراق اور مصر کے بندرگاہون تک پہنچ گئی ہے، اور خود مجھے عدن، جدہ، پورٹ سعید، مصوّع اور پورٹ سوڈان مین ہندوستانی بولنے والے ملاح اور دوکاندار ملے،

اس موقع پر سب سے پہلا بیان ہمارے سامنے ایک ایرانی آمیز عرب جہازران بزرگ بن شہریار کا ہے، وہ کہتا ہے کہ مجھ سے ایک عرب جہازران ابو محمد حسن نے بیان کیا کہ

"مین ۲۸۸ھ مین منصورہ (بھکر) مین تھا، وہان مجھ سے مستند بزرگون نے یہ بیان کیا کہ الرا داور یک راجہ نے جو ہندوستان کا بڑا راجہ تھا، اور جسکی حکومت کشمیر بالا اور کشمیر زیرین کے بیچ مین تھی، اور جسکا نام

مہروگ بن رائق (؟) تھا، اسنے ۲۷۰ھ مین منصورہ کے بادشاہ عبداللہ کو لکھا کہ وہ اسلام کی شریعت کا کچھ حال اسکو بتائے، تو عبداللہ نے منصورہ مین ایک عراقی کو پایا جو بہت تیز طبع، اور خوش فہم تھا، اور شاعر تھا، اور جسنے ہندوستان مین نشو و نما پائی تھی، اور جو اہل ہند کی مختلف زبانون سے واقف تھا، اسنے ایک قصیدہ لکھکر راجہ کو بھیجا، راجہ نے اسکو بلا بھیجا، اور اسکے حکم سے اس نے قرآن کا ہندی زبان مین ترجمہ کیا۔[1]

اس اقتباس سے ظاہر ہوگا کہ ہندوستان کے سواحل مین بھی بہت سی مختلف زبانین تھین، اور وہ لوگ جنکی اصل زبان فارسی اور عربی تھی، وہ یہان کی زبانون کو سیکھتے اور بولتے تھے، اور ان مین یہ لیاقت رکھتے تھے کہ وہ ان مین شاعری کر سکتے تھے، اور قرآن پاک جیسی کتاب کا ترجمہ کر سکتے تھے،

یہ ہندوستانی اور اسلامی زبانون کے باہمی اختلاط اور میل جول کے امکان کا پہلا واقعہ ہے جو سفرنامون اور تاریخون مین مذکور ہے، اس واقعہ کا زمانہ ۲۷۰ھ یعنی ۸۸۳ء ہے اور آج سے قریباً ایک ہزار اسی سال پہلے کی بات ہے،

اس کے ۳۳ برس کے بعد مسعودی ہندوستان آتا ہے، وہ ۳۰۳ھ مین یہان آیا تھا، وہ ہندوستان کا ابتدائی حال اس طرح لکھتا ہے :-

"اس کے بعد ہند کے لوگون کے خیالات مختلف ہو گئے، اور مختلف گروہ پیدا ہو گئے اور ہر رئیس نے اپنی ریاست الگ کر لی، تو سندھ پر ایک راجہ بنا اور قنوج پر دوسرا راجہ ہوا، اور کشمیر مین تیسرا راجہ تھا، اور مانگیر جو بڑا علاقہ ہے، (گجرات و کاٹھیاواڑ) بلہرا (ولبھ رائے) کی حکومت ہوئی، اور اب تک ہمارے زمانہ تک جو ۳۳۲ھ ہے یہ راجا اسی لقب سے ملقب ہے، اور ہند کی زمین بہت وسیع زمین ہے، خشکی، پہاڑ، اور دریا مین پھیلی ہے، ان کا ملک ایک طرف زابج (جاوہ؟) سے ملتا ہے جو جزیرون کے بادشاہ "مہراج" کا دار المملکت ہے، اور یہ ملک ہندوستان اور چین کے درمیان حد فاصل ہے، لیکن ہندوستان کیطرف منسوب ہے، اور دوسری طرف کوہستان سے متصل

[1] عجائب الہند، بزرگ بن شہریار ص ۲ و ص ۳ پیرس،

خواسان اور سندھ اور تبت تک ہی، اور ان (ہندوستانی) ریاستون مین باہم اختلاف اور لڑائیان ہین اور انکی زبانین الگ الگ ہین، اور ان کے مذہبی خیالات مختلف ہین زیادہ تر لوگ تناسخ اور آواگون کے قائل ہین، جیساکہ ہم نے پہلے کہا ہے[1]۔

اس کے بعد یہی سیاح سندھ کے حال مین کہتا ہے:۔

"اور سندھ کی زبان ہندوستان کی زبان سے الگ ہے.... . . . اور مانگیر کی زبان جو بلہرا (ولبھ رائے) کا دار السلطنت ہو گیری ہے، اور اس کے ساحلی شہرون جیسے چیمور، سوبارہ، اور تھانہ (موجودہ بمبئی کے پاس) کی زبان[2] لاری ہے"۔

یہ سندھ، گجرات، کاٹھیاواڑ اور کوکن کی زبانون کی نسبت قدیم عربی شہادت ہے، اس کے بعد بغدادی سیاح اصطخری کا زمانہ ہے، جو ۳۴۰ھ مین آیا تھا، وہ کہتا ہے:۔

"منصورہ (موجودہ بھکر واقع سندھ) اور ملتان اور ان کے اطراف کی زبان عربی اور سندھی ہے، اور مکران والون کی زبان فارسی اور مکرانی ہے[3]"۔

بعینہ یہی الفاظ ابن حوقل کے سفرنامہ مین ملتے ہین، اس کا زمانہ ۳۳۱ھ سے ۳۵۸ھ تک ہی، وہ کہتا ہے:۔

"منصورہ (بھکر) اور ملتان اور اس کے اطراف مین عربی اور سندھی بولی جاتی ہے[4]"۔

۳۷۵ھ ۹۸۵ع مین بشاری مقدسی ہندوستان آتا ہے، وہ ملتان کے حال مین لکھتا ہے:۔

"اور فارسی زبان سمجھی جاتی ہے[5]"۔

پھر دیبل یعنی ٹھٹھ کے بندرگاہ کے حال مین لکھتا ہے،

"دیبل (ٹھٹھ) سمندر کے ساحل پر ہے، اس کے چارون طرف سَو گاؤن کے قریب ہین،

[1] مروج الذہب مسعودی ج اول ص ۱۶۲ (پیرس) [2] ایضاً ص ۳۸۱ [3] سفرنامۂ اصطخری ص ۱۷۷، لائیڈن، [4] سفرنامہ ابن حوقل ص ۲۳۲ لائیڈن، [5] سفرنامۂ بشاری معروف بہ احسن التقاسیم ص ۴۸۰، لائیڈن،

اکثر غیر مسلم ہندو (کفار) ہین، سمندر کا پانی شہر کی دیوارون سے آکر لگتا ہے، یہ سب سوداگر ہین، اُن کی زبان سندھی اور عربی ہے[1]"۔

ابن ندیم بغدادی جس نے اپنی الفہرست ۳۷۷ھ مین ترتیب دی ہی، وہ سندھ کی زبانون کی نسبت جس کی وسعت مین اس کے نزدیک ہندوستان بھی داخل ہے، یہ لکھتا ہے:۔

"یہ لوگ مختلف زبانون، اور مختلف مذہب والے ہین، اور ان کے لکھنے کے کئی خط ہین، مجھ سے ایک ایسے شخص نے جو ان کے ملک مین گھوما پھرا تھا، کہا تھا کہ اُن کے ہان دو سو خط کے قریب مستعمل ہین، مین نے (بغداد کے) قصر حکومت مین ایک بت دیکھا تھا جس کی نسبت مجھے کہا گیا کہ یہ بودھ کی مورت ہو . . . . . اس کے نیچے اس طرح لکھا ہوا تھا[2]"۔

اب وہ زمانہ آیا جب سلطان محمود کا باپ سبکتگین اپنی نئی سلطنت کا پتلا بنا کر کھڑا کر رہا تھا، اور ہندوستان کی بولیون مین عربی و فارسی کے بعد ترکی کے میل کا وقت آیا، اس وقت پشاور اور پنجاب اور غزنین مین صلح اور لڑائی کے تعلقات قائم تھے، آمد و رفت، لڑائی بھڑائی، اور صلح و پیام کے لیے دونون قومون کی زبانون مین اختلاط کا موقع آ گیا تھا، اس وقت لڑائیون کے ہزارون ہندو قیدی[3]، اور نوکری پیشہ ہندو سپاہی افغانستان و ترکستان مین گھر گھر پھیلے تھے، امیر سبکتگین کی فوج مین دوسری قومون کے ساتھ ہندو بھی داخل تھے،

"و لشکر خواستن گرفت، و بسیار مردم جمع شد، از ہند و خلج و از ہر دستی[4]"۔

سلطان محمود کے دربار مین ہندی کا مترجم تلک نام ایک ہندو تھا، جو بچپن مین شیراز پہنچ گیا تھا، اور فارسی سیکھ لی تھی، اور ہندوؤن کے ساتھ نامہ و پیام اور مراسلت کی خدمت اس کے سپرد تھی،

"خطی نیکو ہندوی و فارسی، و مدتے دراز بکشمیر رفتہ بود و شاگردی کردہ، . . . . . و او را دبیری و مترجمی کردی با ہندوان[5]،

[1] سفرنامۂ بشاری ص ۴۷۹، [2] کتاب الفہرست مطبوعہ مصر ص ۴۸۳ [3] قابوس نامہ (۴۷۵ھ) باب در رسم بندہ خریدن، [4] تاریخ بیہقی ص ۲۴۲ دہلی ۵۰ کلکتہ، [5] ایضاً ص ۵۰۳،

ابوالفضل بیہقی اپنی تاریخ آل سبکتگین مین اپنے زمانہ یعنی سلطان مسعود (۴۲۱ھ تا ۴۳۳ھ) کے عہد مین اسی قسم کے ایک ہندو مترجم بیربل کا ذکر کرتا ہی جسکا تعلق ان کے دفتر انشاء سے تھا،

"ہمچنان بیربل بدیوان ما"[1]

سلطان محمود کے دربار مین جہان عرب و عجم کے اہل علم تھے، وہان ہندوستان کے اہل علم بھی شریک بزم رہتے تھے، کالنجر کے راجہ نند نے ۴۱۳ھ مین جب سلطان کی شان مین ہندی مین شعر لکھکر بھیجا، اس موقع پر فرشتہ مین ہی:

"نندا بزبان ہندی در مدح سلطان شعری گفتہ نزد او فرستاد، سلطان آنرا بفضلاے ہند و عرب و عجم کہ در ملازمت او بودند نمودہ ہمگی تحسین و آفرین کردند"[2]

یہ وہ زمانہ ہے جب لاہور بھی فتح نہین ہوا تھا، اس زمانہ مین بھی سلطان کے دربار مین عرب و عجم اور ہند کے فضلاء پہلو بہ پہلو بیٹھے تھے، اور سب اتنا درخور رکھتے تھے کہ ہندی شعر کو سمجھین اور مزہ لین،

غزنوی بادشاہون کے زمانہ مین جب پنجاب غزنین کا صوبہ تھا، ہزارون لاکھون مسلمان جنکی زبان فارسی تھی، پنجاب مین بس گئے تھے، ظاہر ہے کہ ان مین اور عام اہل ہند مین بول چال اس طرح ہوگی کہ وہ ہندی ملی ہوئی فارسی اور یہ فارسی ملی ہوئی ہندی بولتے ہون، اور چند روز مین یہ کیفیت ہوگئی کہ مسلمان ہندی مین، یا فارسی آمیز ہندی مین شاعری کرنے لگے، چنانچہ اس عہد کا مشہور شاعر مسعود سعد سلمان، المتوفی ۵۱۵ھ جو لاہور مین پیدا ہوا تھا، اور لاہور ہی مین رہتا تھا، اس نے ایک عربی کا، ایک فارسی کا اور ایک ہندی کا دیوان یادگار چھوڑا،

میکے بتازی، و یکے بپارسی، و یکے بہندی" (لباب الالباب عوفی جلد ۲ ص ۲۴۶، گب)

یہ شوق روز بروز ترقی کرتا گیا، یہانتک کہ ایک ترک خاندان جو دہلی مین رہ پڑا تھا، اسمین امیر خسرو (المتوفی ۷۲۵ھ) جیسا ہمہ دان شاعر پیدا ہوا، جس نے عربی، فارسی، ہندی مین علٰحدہ علٰحدہ بھی اور تینون زبانون کے مصرعون کو ملا کر بھی شاعری کی، چنانچہ انھون نے خود اپنے دیوان غرۃ الکمال کے خاتمہ مین اس پر فخر کیا ہے،

[1] تاریخ بیہقی ص ۵۰۰ کلکتہ، [2] مطبوعہ نولکشور ص ۳۱، جلد اول،

امیر خسرو نے اپنی مثنوی نہ سپہر مین ہندوستان کے مختلف صوبون کی حسب ذیل بولیون کے نام لیے ہین،

سندھی[1]، لاہوری[2]، کشمیری[3]، بنگالی[4]، گوڑی[5] (گوڑ بنگالہ کا ایک حصہ) گجراتی[6]، تلنگی[7]، معبری[8] (کرناٹکی جسکو کنڑی کہتے ہین) دھور سمندی[9] (دھور سمندر کارومنڈل کا پایہ تخت تھا جو اس زمانہ مین نیا فتح ہوا تھا) اودھی[10]، اور دہلوی[11]،

یہی زبانین تھوڑے تھوڑے فرق سے اب بھی موجود ہین، امیر خسرو کے تین سو برس کے بعد اکبر کے زمانہ مین بھی ہندوستان کے مختلف صوبون مین یہی بولیان رائج تھین، ابو الفضل ہندوستان کی مستقل زبانون کا ذکر اس طرح کرتا ہے[1]،

دہلوی[1]، بنگالی[2]، ملتانی[3]، مارواڑی[4]، گجراتی[5]، تلنگی[6]، مرہٹی[7]، کرناٹکی[8]، سندھی[9]، افغانی[10]، شال[11] (جو سندھ، کابل اور قندھار کے بیچ مین ہے) بلوچستانی[12]، اور کشمیری[13]،

اوپر کے اقتباسات سے دو باتین ثابت ہوتی ہین، ایک یہ کہ اس ملک مین ہر زمانہ مین صوبہ دار بولیان بولی جاتی تھین، اور اسمین کوئی ایک عام اور مشترکہ بولی نہ تھی، اور دوسری یہ کہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے قدرتی طور سے ایک زبان تیار ہو رہی تھی،

ہندوستان مین اسلامی حکومتون کے چھ سو برس قیام کے بعد بھی، ملک مین زبانون کے اختلاف کا یہی حال رہا، کہ ایک صوبہ کا رہنے والا، دوسرے صوبہ کے رہنے والے سے بات چیت اور کاروبار کرنے سے عاجز تھا، خیال کیا جاسکتا ہی کہ ایسا ملک جسمین کم از کم تیرہ مستقل زبانین بولی جاتی ہون، اس کو ایک مملکت، ایک حکومت اور ایک ملک کیونکر قرار دیا جاسکتا تھا؟ اور ایسی مختلف بولیون اور زبانون والے ملک کے انتظام اور کاروبار کے لیے ایک متحدہ و مشترکہ زبان کی کتنی سخت ضرورت تھی، یہی بات تھی جس نے اس ملک مین ایک نئی بھاشا کو پیدا کیا، اور اس کو ترقی دی،

اسلامی عہد کی ادبی تاریخ کے گہرے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخلوط زبان، سندھ، گجرات، اور دکن، پنجاب اور بنگال ہر جگہ کی صوبہ دار زبانون سے ملکر ہر صوبہ مین الگ الگ پیدا ہوئی، جنمین خصوصیت کیساتھ ذکر کے

[1] آئین اکبری جلد سوم "زبانہا" ص ۵۹ نولکشور،

قابل، سندھی، گجراتی، دکھنی اور دہلوی ہین، جن صوبون کی بولیون کو الگ وجود نہین بخشا گیا، ان مین بھی یہ اتبک نز
پڑتا ہے کہ انکی دو قسمین ہین، ایک مسلمانی اور ایک خالص دیسی، چنانچہ بنگالی، مرہٹی، کنڑی، تلنگی، ملیالم، ہر ایک مین
مسلمانی بولی خالص بولی سے الگ ہے، مسلمانی بنگالی، مسلمانی مرہٹی، مسلمانی تلنگی، خالص بنگالی، خالص مرہٹی اور
خالص تلنگی سے الگ اور ممتاز ہے، یہ امتیاز بھی ہے کہ مسلمان ان صوبہ دار بولیون مین عربی و فارسی لفظون کو ملا کر
بولتے ہین، اور ان صوبون کے اصل باشندے اُن کو خالص اور بے میل بولتے ہین،

اب صورت یہ ہوئی کہ ہر صوبہ کی مقامی بولیون مین مسلمانون کی زبان کے الفاظ کا میل ہو کر ایک نئی بولی پیدا
ہونے لگی، مسلمانون اور ہندوؤن کا یہ میل جول جیسا کہ پہلے کہا گیا، سب سے پہلے ملتان سے لیکر ٹھٹھہ تک سندھ مین اور
پھر یہان سے گجرات اور کاٹھیا واڑ تک ہوا ہوگا، اس میل جول سے جو زبان بنی اس کا پہلا نمونہ ہم کو ۷۶۲ھ مین فیروز
شاہ تغلق کے عہد مین سندھ مین ملتا ہے، سنہ مذکور مین سلطان ٹھٹھہ پر ناکام حملہ کر کے جب گجرات جاتا ہے تو ٹھٹھہ والون
نے اس کو اپنے شیخ کی کرامت سمجھکر کہا،

"برکت شیخ تھیا، اک مُوا، اک تھا"

یعنی یہ شیخ کی برکت تھی، کہ ایک حملہ آور (سلطان محمد شاہ تغلق جس نے ۷۵۲ھ مین حملہ کیا تھا) مرگیا، اور دوسرا
(سلطان فیروز شاہ تغلق) ناکام رہا،

عبارت سے یہ آئینہ ہے کہ اس زمانہ (۷۶۲ھ) مین عربی، فارسی اور ہندوستانی بولیون کا مجموعہ
جس کو آج ہم اردو کہتے ہین پیدا ہو چکا تھا، ان واقعات سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس زبان کی پیدایش کیوجہ
مختلف قومون کا کاروباری اور تجارتی اختلاط اور میل جول تھا، اور اسی ضرورت نے اس نئی زبان کو وجود بخشا
تھا، اس زبان کی پیدایش کی، اور پیدایش کی نہ سہی، تو اس کے قیام، بقا، اور ترقی کی وجہ اس سے بھی بڑھکر ناگزیر
ایک اور ہے، مسلمان جب اس پورے ملک پر حکمران ہوئے تو گو فارسی سرکاری زبان کی حیثیت سے ان کے
ساتھ آئی تاہم ایک ایسی قوم کے لئے جسکا تعلق پورے ملک سے ہو، اس ملک مین کوئی ایک بھی متحدہ اور مشترکہ زبان

موجود نہ تھی، لکھے پڑھے تو خیر آج کی انگریزی کی طرح کل کی فارسی سے کام چلا لیتے تھے، مگر ان پڑھ، ناخواندہ اور عوام
کے لیے ایک ایسی زبان کی سخت ضرورت تھی جو پورے ملک کی بول چال، آمد و رفت اور کاروبار مین کارآمد ہو،
اور بعینہ یہی ضرورت آج بھی موجود ہے،

اردو نام

زبانِ اردو کی تاریخ کے متعلق میر امّن اور سر سید اور دوسرے پرانے بزرگون نے جو بیان سنایا تھا، وہ اب پا[illegible]
سمجھا جاتا ہے، اور اب اس مضمون پر چند ایسی محققانہ کتابین لکھی گئی ہین جن سے اس زبان کی تاریخ کا دشوار گذار راستہ
بہت کچھ صاف ہوگیا ہے، اور اب اس کے وجود کا سراغ بہت دور تک لگایا جا چکا ہے، اور آج سے پانچسو برس
پہلے کے فقرے جمع کئے گئے ہین، اور تیموری بادشاہون سے بہت پہلے کی نظم و نثر کی کتابین مہیا کیگئی ہین، اور اب چار درویش
کے مصنف میر امن کے اس بیان کو لوگ صرف بزرگون کی کہانی سمجھتے ہین،

"حقیقت اردو زبان کی بزرگون کی زبان سے یون سُنی ہے کہ دلّی شہر ہندوون کے نزدیک چوجگی ہے،
انھین کے راجا پرجا قدیم سے وہان رہتے تھے، اور اپنی بھاکا بولتے تھے، ہزار برس سے مسلمانون کا عمل
ہوا، سلطان محمود غزنوی آیا، پھر غوری اور لودی بادشاہ ہوئے، اس آمد و رفت کے باعث کچھ زبانون
نے ہندو مسلمان کی آمیزش پائی، آخر امیر تیمور نے جن کے گھرانے مین اب تلک نام نہاد سلطنت کا چلا جاتا
ہے، ہندوستان کو لیا، ان کے آنے اور رہنے سے لشکر کا بازار شہر مین داخل ہوا، اس واسطے شہر کا بازار اردو
کہلایا، . . . . جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چارون طرف کے ملکون سے سب قوم قدر دانی
اور فیض رسانی اس خاندانِ لاثانی کی سنکر حضور مین آکر جمع ہوئے، لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدی
جدی تھی، اکٹھے ہونے سے آپس مین لین دین، سودا سلف، سوال جواب کرتے ایک زبان اردو کی
مقرر ہوئی،

جب حضرت شاہجہان صاحب قران نے قلعۂ مبارک، اور جامع مسجد اور شہر پناہ تعمیر کروایا . . .
. . . . . تب سے شاہجہان آباد مشہور ہوا (اگرچہ دلّی جدی ہے اور وہ پرانا شہر اور یہ نیا شہر

کہلاتا ہے اور وہان کے بازار کو اردو ی معلی خطاب دیا؛

لیکن میرے نزدیک ان چند سطرون مین اردو کی جو تاریخ بیان کیگئی ہے، وہ اشخاص کے نامون کو چھوڑکر سرتاپا حقیقت

ہے، آجکل بعض فاضلون نے "پنجاب مین اردو" اور بعض اہل دکن نے "دکن مین اردو"، اور بعض عزیزون نے "گجرات مین

اردو" کا نعرہ بلند کیا ہے، لیکن حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہر ممتاز صوبہ کی مقامی بولی مین مسلمانون کی آمد ورفت اور

میل جول سے جو تغیرات ہوئے، ان سب کا نام "اردو" رکھا گیا ہے، حالانکہ ان کا نام پنجابی، دکھنی، یا گجراتی اور گوجری

وغیرہ رکھنا چاہئے، جیسا کہ اس عہد کے لوگون نے کہا ہے، یہ تغیرات جب ممتاز صوبون مین ہو رہے تھے تو خود پایۂ

تخت دہلی مین تو اور زیادہ ہوتے،

امیر خسرو اور ابو الفضل دونون نے "دہلوی زبان" کا الگ نام لیا ہے، عہد شاہجہانی مین جب یہان اردوئے

معلی بنا، تو اس "زبانِ دہلی" یا "زبانِ دہلوی" کا نام، "زبانِ اردوئے معلی" پڑگیا، چنانچہ لفظ اردو زبان کے معنی

مین دہلی کے علاوہ کسی صوبہ کی زبان پر اطلاق نہین پایا ہے، میر تقی میر کی تحریری سند مین جب اسکا نام پہلی دفعہ

آیا ہے، تو اصطلاح کے طور پر نہین، بلکہ لغت کے طور پر آیا ہے، یعنی میر نے "اردو زبان" نہین کہا، بلکہ "اردو کی ز

کہا ہے،

ریختہ کہ شعریست بطور شعر فارسی بزبانِ اردوے معلّٰی بادشاہِ ہندوستان" (ذکر میر ص۲۳)

"بادشاہِ ہندوستان کے کیمپ یا پایہ تخت کی زبان"

اس کے بعد عام استعمال مین زبان اردو کے بجاے خود زبان کا نام اردو پڑگیا، اور پھر یہ اردوی معلی

سے نکل کر ملک مین ہر جگہ اسی اصول پر پھیل گئی، جس اصول پر ہندوستان مین ہمیشہ راجدھانی کی بھاکا، تمام حدو

مین پھیلتی رہی ہے،

اس زبان کی اصلیت کیا ہے؟ ہم نے پچھلی سطرون مین اسکو بار بار "نئی زبان" کہا ہے، مگر کیا حقیقت

مین اسکو نئی زبان کہنا چاہئے؟ ہم جسکو آج اردو کہتے ہین، حقیقت مین وہ دہلی اور اطراف دہلی کی وہ پرا

بولی ہے، جو وہان پہلے سے بولی جارہی تھی، اور جسمین زمانہ کے قاعدہ کے مطابق انقلاب، اتار چڑھاؤ، اور خراد

ہو ہو کر لفظون کی مناسب صورت بنگئی،

ہر زبان تین قسم کے لفظون سے بنتی ہے، اسم، فعل، اور حرف، اس بولی مین جس کو اب اردو کہنے لگے ہین،

فعل جتنے ہین وہ دہلوی ہندی کے ہین، حرف جتنے ہین ایک دو کو چھوڑکر وہ ہندی کے ہین، البتہ اسم ہین

آدھے اس ہندی کے، اور آدھے، عربی، فارسی اور ترکی کے لفظ ہین، اور بعد کو کچھ پرتگالی اور فرنگی کے وہ

لفظ مل گئے ہین جن کے مسمّٰی ان باہر کے ملکون سے ہین، جیسے نیلام، پاؤ (روٹی) پادری، الماری، وغیرہ،

اس لئے اردو اور ہندی (وہ بھی دہلوی ہندی) مین صرف دو فرق ہین، دہلوی ہندی تو اپنی

جگہ پر رہگئی، لیکن اسی ہندی مین اس وقت کے نئے ضروریات کے بہت سے عربی، فارسی، اور ترکی کے وہ

الفاظ آکر ملے، جنکے معنی اور مسمّٰی ان ملکون سے آئے تھے،

دوسرا فرق یہ پیدا ہوا کہ وہ ہندی اپنے خط مین، اور یہ اردو فارسی خط مین لکھی جانے لگی،

رفتہ رفتہ ایک اور فرق بھی پیدا ہوا کہ پرانی ہندی کے بہت سے لفظ جو زبان پر بھاری اور ثقیل

تھے، زمانہ اور زبان کی فطری ترقی کے اصول کے مطابق ان مین ہلکاپن، خوبصورتی اور خوش آوازی پیدا کرنے

کی کوشش کیگئی، اسی طرح عربی اور فارسی اور ترکی کے لفظون مین بھی اپنی طبیعت کے مطابق اس نے تبدیلیان کین

اردو نے ہندی کے لفظون مین اس قسم کا جو تغیر کیا ہے، اسکی چند مثالین یہ ہین :-

ہندی	اردو	ہندی	اردو
گنرڈ	گنْ	جیو	جی
براہنڑ	برہمن	شکتی	سکت
راونڑ	راون	رکھشا	رکھ
وواہ	بیاہ	پونچا	پہنچا

ہندی	اردو	ہندی	اردو
جییشٹھ	جلیٹھ	کینتو	کیونکہ
ورش	برس (سال)	مائی	مان
پرنتو	پر (مگر)	سمے	سمان
اوچت	اچھا	دیش	دیس
سمبندھی	سمدھی	لکھشن	لچھن
ویشاکھ	بیساکھ	ناش	ناس (خراب)
وچار	بچار	اگنی	اگ
کھشتری	کھتری	پورن	پورا
منش	مانس (جیسے بھلامانس)	مورتی	مورت
میگھ	مینھ	ست یاسانچ	سچ
ورشارُت	برسات	کُٹنب	کٹم (خاندان)
وارتا	بات	اٹ	اٹا
ہستی	ہاتھی	پانین	پانی
بادر	بادل	ددھے	دہی
دُگدھ	دودھ یا ددد	گھرت	گھی
نا	نہ	بھن بھن	بھانت بھانت

اب چونکہ پورا ملک ایک تھا، اور ہمیشہ آمد ورفت لگی رہتی تھی، اسلئے اس دہلوی ہندی مین سینکڑون لفظ ہندوستان کے دوسرے صوبون کی بولیون سے اگر رفتہ رفتہ رُل مل گئے، خصوصاً پنجابی اور دکھنی لفظون

کی آمیزش زیادہ ہوئی،

کہین یہ ہوا ہے کہ فارسی اور ہندی دونون کے ہم معنی لفظون کو ایک جگہ کر کے بولنا شروع کیا، تاکہ دونون زبانون کے الگ الگ جاننے والے، ایک لفظ سے دوسرے لفظ کے معنی کو سمجھ لین، جیسے دھن دولت، رنگ روپ، رنگ ڈھنگ، خاک دھول، کاغذ پتر، موٹا تازہ، ہنسی مذاق، ہنسی خوشی، بھائی برادر، رشتہ ناتہ، داغ دھبہ، دکھ درد، صاف ستھرا، ریت رسم، کبھی فارسی لفظ مین ذرا ہندی پن پیدا کر دیتے ہین جیسے جن، مجور یا مزدور یعنی مزدور، لونڈی باندی (بندی، بندہ بمعنی غلام)

ان دونون کو دو زبانون کی جگہ ایک بھاشا بنانے کے لئے یہ چاہئے کہ ان دونون کے لکھنے والے اپنی اپنی جگہ پر چند ایسے اصول ایک ساتھ بنا لین، جنکو دونون نباہ لیجائین،

تاریخ صقلیہ جلد اوّل

از مولوی سید ریاست علی ندوی، رفیق دار المصنفین، سب اڈیٹر معارف،

مسلمانون نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی، اور اسپین کیطرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا اور تقریباً پانچ سو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہو کہ اسکی کوئی تاریخ اردو، انگریزی مین کیا عربی مین بھی موجود نہ تھی، مصنف نے چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش اور تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدون مین اسکی تاریخ مرتب کی ہو جو اردو کیا مشرقی زبان مین سسلی کی سب سے پہلی اسلامی تاریخ ہو، اسکی پہلی جلد شائع ہو گئی ہو جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہو، اس مین صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی اور جزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام عہد بعہد کے دورون کا عروج، اسلامی حکومت کا خاتمہ اور صقلیہ اور جزائر صقلیہ مین مسلمانون کے مصائب اور جلا وطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہو، ضخامت مجموعی ۵۲۶ صفحے، علاوہ متعدد رنگین نقشہ جات کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، قیمت صرف للعہ

"منیجر"

"وجودِ روح" روحانیین کے نقطۂ نگاہ سے[1]

از جناب محمد اصغر صاحب انصاری، بی اے بھوپال،

ارباب سائنس اپنے حواس اور آلات اور غور و فکر کے ذریعہ سے اشیاء کی اصل حقیقت کا پتہ چلانے کی سعی مین مشغول ہین، اور اس نتیجہ پر پہنچے ہین کہ ہماری یہ زمین جسپر ہم بستے ہین، اس نظام شمسی مین چندان اہمیت نہین رکھتی، ہمارا یہ عالم مشہود اپنے اندر ایک لا انتہائیت رکھتا ہے، ان ارباب علم کو ایسی بیشمار دنیاؤن کا پتہ معلوم ہوگیا ہے جو اس فضائے بسیط مین پھیلی ہوئی ہین، جنکے مقابلہ مین ہمارا کرۂ خاکی یکسر ناقابلِ لحاظ ہے، اجرامِ سماوی کے متعلق یہ تخیل گو نسبتہً ایک جدید خیال ہے، لیکن اس نے انسانی افکار مین ایک انقلابِ عظیم برپا کر دیا ہے، اس لئے یہ چندان تعجب خیز نہین ہے کہ ابتداءً اصحابِ غرض نے اس نظریہ کی مخالفت کی جنمین سے بعض کا تعلق مذہبی گروہ سے تھا اور بعض ایسے لوگ بھی شامل تھے جو محض اسلئے مخالف ہوگئے تھے کہ فہم سادہ کے نزدیک یہ بات لائقِ قبول نہ تھی کہ ہماری یہ زمین بھی منجملہ ان دیگر سیارون کے ایک سیارہ ہے جو اس فضا مین گردش کر رہے ہین، اب ہم رفتہ رفتہ اس نظریہ کے عادی ہوگئے ہین لیکن اندیشہ یہ ہے کہ اب بھی بہت ہی کم نفوس ایسے ہونگے جنپر یہ امر اچھی طرح واضح ہو کہ ہم اس کائناتِ خلقت کے بحرِ زخار مین ایک قطرہ سے زیادہ نہین ہین، اور اس لئے یہ دعوی کسقدر طفلانہ ہے کہ انسان جو چیونٹی کی طرح اس کرۂ ارضی پر رینگتا ہوا نظر آتا ہے، اور جسکی پیدائش کو ہنوز چند ہزار سال سے زیادہ عرصہ نہین گذرا، وہ اصل حقیقت کا شناسا ہے، ہم انسانون کی یہ توقع ہی بیجا ہے کہ ہم اس محدود علم و تجربہ کے باوجود "اس ذات" اور اس "مشیئت" کی بابت کوئی عرفان صحیح رکھ سکتے ہین جو اس "تمام" مین ساری ہے، ہم ہنوز غور کر رہے ہین، تاریکی مین ٹٹول رہے ہین، لیکن ہان یہ امید ضرور رکھتے ہین کہ تدریجاً حقیقت سے قریب تر ہوتے چلے جا رہے ہین،

[1] اس مقالہ کے ابتدائی حصص سر الیور لاج کی کتاب سے ماخوذ ہین،

ہین، غور کرو کہ باوصف فکر و ادراک کی اس نارسائی کے اگر ہم بحث و اختلاف کا غوغا بلند کرین تو یہ کہانتک ہمارے حالات کے مناسب ہوگا، اس کے قطعاً برخلاف ہمارا طرزِ عمل تو یہ ہونا چاہئے کہ اس ہنگامۂ اقرار و انکار کے بجائے ایک دوسرے کے ساتھ اس لئے تعاون عمل کرین کہ اصل حقیقت کی بابت ہم سب کا علم وسیع تر ہو جائے اور ہمارا اصل مقام اور ہماری زندگی کا اصل مقصود ہمپر منکشف ہو جائے، لیکن خود اس اعتماد و یقین کے لئے کہ اس کائنات مین ہمارا وجود بھی یک گونہ اہمیت رکھتا ہے ہمکو قوت ایمانیہ کی ضرورت ہے وہی قوت ایمانیہ جو ہماری تمام قوتون کی اصلی محرک ہے جو تمام علمی اکتشافات کی اصل بنیاد اور فنون لطیفہ کے تمام کارنامون مین قدر و قیمت پیدا کرنے کی موجب ہے، اور مذہب کا اصلی مبنی اور اس کے لئے بمنزلۂ قلب و روح ہے،

جب اس کائنات پر خالص سائنس کے نقطۂ نظر سے نگاہ ڈالی جاتی ہے تو ہمین شک نہین کہ سائنس مین کہین بھی خدا کا لفظ استعمال نہین کیا جاتا بلکہ اس کے برعکس وہ ہمیشہ ایسے آخری علل و اغراض تک پہنچنے سے اعراض کرتی رہتی ہے جو اس کے موضوع سے باہر ہون لیکن بہرحال اس نے بعض ایسی باتین ضرور بتلا دی ہین جو خالص مذہبی نقطۂ نظر سے بھی اہم و مفید ہین،

پہلی بات جو سائنس نے بلا کسی ادنیٰ شک و ریب کے بتائی ہے وہ یہ ہے کہ ہم ایک ایسی دنیا مین زندگی بسر کر رہے ہین جو تمام تر قانون و نظم سے منسلک ہے، یعنی اس عالم کا ہر ذرہ ان مؤثرات کا تابع فرمان ہے جو اس پر عارض ہین، اس فطرتِ مادی مین کہین بھی کسی طرح کا تلون یا تفاوت نہین پایا جاتا، یہی سبب ہے کہ ہم معلول سے علت کا پتہ چلانے مین کوئی غلطی نہین کرتے، فطرت کا تمام کاروبار قطعاً مستقل اور یقیناً لائق اعتماد ہے، کہین بھی تم کو ادنیٰ ترین تبدل یا انحراف نظر نہ آئے گا، الغرض جہانتک اس کائنات کا مطالعہ سائنس کر چکی ہے اور قوانینِ فطرت کو معلوم کر سکی ہے اس مین کہین بھی کوئی فتور یا تضاد نہین پایا جاتا، فطرت، تمام تر نظم اور سب بالاتر ہے،

دوسری بات جو سائنس نے ہم کو بتائی ہے وہ یہ ہے، کہ گو اس کائنات کی بابت ہمارا علم از منۂ سابقہ

کے مقابلہ مین بہت زیادہ وسیع ہوگیا ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ہمارے تخیل وگمان سے بھی کہین زیادہ بڑھ گیا ہے
لیکن اس وسعت علم کے باوجود بھی ہم اس کائنات کی وسعت کا کوئی اندازہ نہین کرسکتے، اس فضا کے
کا ہر ستارہ کم وبیش ہمارے اس آفتاب ہی کی طرح بڑا ہے، یہ کہکشان جسمین اربون کی تعداد مین ستارے
پائے جاتے ہین، نظام سماوی مین ایک حقیر نقطہ سے زیادہ نہین ہے اور گو بذاتہ اس قدر طویل وعریض ہے کہ
اس کے حجم کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے، لیکن ہم کو اس سے زیادہ فاصلہ پر ایسی متعدد کہکشائین نظر آتی ہین جنمین
سے بعض اتنی ہی بڑی ہین جیسی یہ ہماری کہکشان، گو یا وہ بذاتِ خود ایک کائنات معلوم ہوتی ہین اور اس ناپید
کنار فضا مین اس قدر بعید فاصلہ پر واقع ہین، کہ خود یہ امر بھی تعجب خیز ہے کہ ہم کو ان کا علم کیونکر ہوا، محض بڑی بڑی
دوربینون اور فوٹوگرافی کی انتہائی ترقیون کے باعث ہم کو ان مین سے اکثر کی جھلک معلوم ہوئی ہے، بہرحال منجم
اس کا اندازہ تو کرسکتے ہین کہ سیارات وثوابت کی ان دنیاؤن سے جو روشنی چلکر بالواسطہ اب ہم تک پہنچ رہی ہے
اسکو چلے ہوئے بھی کرڑون برس ہوگئے ہین، تم تنہا اسی واقعہ سے اس کائنات کی وسعت ولاانتہائیت کا تصور
کرو، کیا محض مادی نقطۂ نظر سے بھی یہ کائنات اور اس کائنات کی یہ پہنائی مرعوب کن نہین ہے؛ لیکن یہ بات
یہین تک ختم نہین ہوجاتی بلکہ حیرت تو یہ ہے کہ کیمیا، اور طبعیات کے وہ قوانین جو اس کرۂ ارضی مین عمل پیرا ہین
قوانین طبعی اس تمام وسیع وعریض فضا مین بھی جس کا ابھی ذکر ہوا پورے پورے عامل ہین، وہی اجزائے
لاتتجزی جو یہان پائے جاتے ہین وہی اس تمام کائنات مادی مین پھیلے ہوئے ہین، اور یکسر ایک ہی قانون
کے مطیع ومنقاد ہین، حرارت ونور کے انعکاس واشعاع کا جو عمل ہماری اس دنیا مین جاری ہے وہی عمل بعید ترین
ثوابت اور سیارون مین بھی پایا جاتا ہے، الغرض سائنس کا فتوٰی یہ ہے کہ جو عمل طبعی یہان جاری ہے وہی
تمام کائنات مین جاری ہے، کہین بھی ادنیٰ ترین تضاد وتخالف نہین ہے، سائنس کا یہ فتوی اگر کسی نتیجہ تک
ہماری رہبری کرتا ہے وہ صرف ایک ہی ہے، یعنی یہ کہ تمام کائنات فی حد ذاتہ ایک ایسی وحدت تامہ ہے
جس مین باہم کوئی تضاد وتنافر نہین ہے، وہ ایک ہی قانون ہے جو اس کل مین یکسان عامل ہے، پس اگر کوئی

ایسا وجود ہے جسکو ہم خدا کہکر پکارتے ہین، اور اگر وہ کارساز اور علیم ہے تو یقیناً وہ اس تمام کائنات کا علیم وکارساز
ہے، ہماری دنیا کا خدا محض اسی دنیا کا خدا نہین ہے بلکہ تمام ارض وسموات کا خدا ہے اور یقیناً اسکی قدرت اس کائنات
کے بعید ترین حدود پر بھی یکسان طور پر حاوی ہے، اور باوصف اس وسعت کے چھوٹی سی چھوٹی جزئیات بھی ایسی
نہین جو اس کے علم وتوجہ سے بے نیاز ہون، اس عظیم المرتبت ذاتِ واحد کی معرفت مین ہم خواہ کتنے ہی ناقص کیون
نہ ہون لیکن ہمارا وجود، عالم مادی اور روحانیت کا یہ تمام نظام، الغرض ہر شے اسی سے ہے اور اسی کے لئے ہے، سائنس
رفتہ رفتہ ہم کو اسی منزل کی طرف لیجارہی ہے، مذہب کا منتہائے نظر بھی یہی ہے، اختلاف مقصود کا نہین صرف
طریق عمل کا ہے،

"وجودِ روح کے امکانات"

سائنس کا محدود میدان عمل

یہ یقین کہ ایک ذاتِ واحد کا وجود اس تمام موجودات کی علت یا مبدا ہے، ہمارے اس
یقین مزید کا بھی موجب ہے کہ انسانی روح فنا پذیر نہین ہوتی، ایک ایسی ذہین وذکی مخلوق کا معرضِ وجود مین
لانا جو "سچائی" کی ساعی اور "خیر" کی آرزومند اور "جمال" کی جویان ہو اور جسمین "یقین" و "امید" اور "محبت" جیسے اعلیٰ
صفات ودیعت کئے گئے ہون اور پھر ان تمام خوبیون کے بعد وہ بالآخر فنا کردیجائے، یہ فنا اور یہ اختتام بھی ایسا
ہو جس سے آیندہ کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوتا ہو، یہ صورت حال یقیناً قوتِ تخلیق کی انتہائی اضاعت اور ایک ایسی
ستم ظریفی ہے جو ہرگز کسی ایسی ذات کی طرف عقلاً منسوب نہین کیجاسکتی جو لائق عظمت وعبادت قرار دی گئی
ہو، چنانچہ مذاہب جو ہمیشہ خدا کے وجود کو تسلیم کرتے ہین وہ اس پر بھی مجبور تھے کہ بقائے انسانی کے مسئلہ کو
بھی حق تسلیم کرین، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا سائنس کے طریق تحقیق کی بنا پر بھی یہ ثابت کیا جاسکتا ہے یا نہین
کہ انسان اس ظاہر ظہور کے اختتام کلی یعنی "موت" کے بعد بھی زندہ رہتا ہے یا نہین،

غیر متعین اور مبہم طور پر تو حیات بعد الموت کا عقیدہ ہمیشہ سے نسل انسانی کے سامنے رہا ہے اور ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ یہ یقین ہماری جبلت مین داخل ہوگیا ہے، یہی باعث ہے کہ کسی نہ کسی شکل مین اس عقیدہ

کو ہر ملک وملت مین تسلیم کیا گیا ہے، لیکن سائنس مین اب تک کبھی بھی اس خیال نے کوئی جڑ نہین پکڑی بلکہ اسکے
برعکس ابتک یہی سمجھا جاتا تھا کہ یہ مسئلہ اپنے اندر ایسی نوعیت رکھتا ہے جس سے وہ آرٹ یا مذہب سے تو متعلق ہو سکتا ہو
لیکن ہمارے جسمانی تجربات کے ٹھوس واقعات کے مطابق نہین ہو سکتا،

اہل سائنس مین ہمیشہ سے ایک گروہ کا یہ خیال قائم رہا کہ جوہر حیات (یعنی روح) کا تمامتر وجود ہمارے
دماغ وقلب اور دیگر اعضا کے صحیح فعل وعمل پر مبنی ہے، یہ اصحاب ہمارے افکار ذہنی اور تخیلات کو حواس ظاہری
کا اس درجہ پابند ومقید باور کرتے ہین کہ ان کے نزدیک کسی ایسی حیات بخش قوت (یعنی روح) کا کوئی پتہ نہین ہے
جو اعضا وجوارح سے جداگانہ کوئی مستقل بالذات وجود رکھتی ہو، یہ لوگ قوتِ شعور وادراک یا قوتِ استدلال
کے منکر نہین ہین، ان قوا کو وہ خود کام مین لاتے رہتے ہین، لیکن ان کا کہنا یہ ہے کہ شعور، ادراک یا استدلال
در اصل اس مستقل بالذات وجود کے باعث ظہور مین نہین آتے جسکو عوام "روح" سے تعبیر کرتے ہین، بلکہ یہ مظاہر
ہمارے جرم دماغ کے جسمانی فعل وانفعال کے سوا اور کچھ نہین ہین، وہ ان حدود سے باہر جانا نہین چاہتے
جہان ان کی خوردبینین یا دیگر آلات کام مین نہ آسکین، اسی لئے وہ ان میدانون سے گریزان رہتے ہین جنکا
تعلق تصوّف یا اسرار مذاہب سے ہے، دوسرے لفظون مین یہ کہنا چاہئے کہ وہ ان مباحث مین نہین پڑنا چاہتے
جنکا تعلق مابعد الطبعیات سے ہو جو کبھی بھی مشاہدۂ حواس مین نہین آسکتے، وہ صرف محسوس اور مشہود اور ایسی
چیزون سے بحث کرتے ہین جو آنکھون سے دیکھی اور کانون سے سُنی اور ہاتھون سے چھوئی جا سکتی ہون، بعبارت
مختصر ان کا دائرۂ عمل صرف طبعیات ہے، اور چونکہ خود طبعیات کی دنیا بھی کافی وسیع اور دلچسپ ہے اس لئے
ان مین کسی دوسری طرف توجہ کرنے کا کوئی میلان ہی پیدا نہین ہوتا، ان کا ادعا یہ ہے کہ کوئی روحانی یا نفسی
وجود بغیر طبعی وکیمیاوی سلسلۂ اعمال کے بذاتہ کوئی معنی نہین رکھتا، ان آخر الذکر مظاہر کی جزوی تفصیلات
کے افہام وتفہیم ہی تک ان کے تمام مساعی محدود رہتے ہین، وہ بزعم خود اجسام مادی کے سالمات ہی کے طریق
کار کو کافی ووافی سمجھتے ہین، اور یہ باور کرتے ہین کہ جس چیز کو شعور یا زندگی کہا جاتا ہے وہ محض انھین اجسام

مادی کے عمل کیمیائی کا نتیجہ ہے اور اس کے سوا کچھ نہین ہے،

بقائے روح یا ایک ایسی ہستی برتر کے وجود کے بارہ مین جو تمام کائنات کی ذمہ دار ہے ان کا خیال یہ ہے
کہ یہ مسائل کسی دوسرے ہی شعبہ سے متعلق ہین اور گو وہ ان خیالات کی بھی کچھ نہ کچھ عزت کرتے ہین کیونکہ بحیثیت
انسان ہونے کے وہ اُن جذبات وحسیات سے متاثر ہوئے بغیر نہین رہ سکتے جو پوری انسانی جماعت پر عائد
ہین، لیکن ان کے نزدیک اس قسم کے مذہبی تخیلات خالص سائنس کے نقطۂ نظر سے قطعاً بے معنی ہین اور اس کی
صاف وجہ یہی ہے کہ یہ امور نہ تو احاطۂ حواس مین آتے ہین اور نہ کسی معمل مین انکی ناپ تول کیجا سکتی ہے، اور چونکہ
"الہام" بھی علم طبعی کے حدود مین نہین آتا اس لئے وہ اس سے بھی کوئی تعرض نہین کرتے،

بیشک انھون نے اپنے دائرۂ عمل کو محسوس ومشہود امور تک محدود کرنے مین اپنے کام کو بہت آسان
کر لیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اس خاص صنف علم مین بڑی حد تک ترقی کرتے چلے جا رہے ہین، مادہ اور مادہ کے
مختلف احوال ومظاہر کا ان کو بہت کچھ علم حاصل ہو گیا ہے جو محض غیر عضوی اجسام ہی تک محدود نہین ہے،
بلکہ اجسام عضوی کو بھی دائرۂ تحقیق مین لے لیا گیا ہے، اس تمام فضا کے اجرام سماویہ اور جوہرون کے متعلق
ہمارا علم وسیع تر ہوتا جا رہا ہے، اور یہ طریق تحقیق واکتشاف اس درجہ کامیاب ہے کہ سائنس نہ صرف رائل سوسائٹی
(ROYAL SOCIETY) کے بانیون بلکہ جماعت انسانی کی توقع سے بھی کہین زیادہ ترقی کر گئی ہے،

اس مین شک نہین کہ جہانتک مادیات کا تعلق ہے ان محققانِ فن نے انتہائی صبر ومحنت سے کام
کیا ہے، اور یہ تمام ترسعی یقیناً دریافتِ حق کے لئے کی گئی ہے، خود یہ میدان اسقدر طویل وعریض اور ایسی بیشمار
دلچسپیون کا مرکز ہے کہ ان اصحاب کو دوسری طرف نگاہ اٹھانے کی آرزو ہی پیدا نہین ہوتی، ہماری آیندہ نسلون
کی پوری زندگی انھین محدود خطوط پر کائنات کے نوامیس کی جستجو اور دریافت مین صرف ہو جائیگی، در اصل
اس عالم کا مادی رخ بھی ہوش ربا ہے، ہمارا علم مسلسل بڑھ رہا ہے اور کہین ختم ہوتا نظر نہین آتا، جس قدر
ہم زیادہ جانتے جاتے ہین اتنا ہی زیادہ ہم کو محسوس ہوتا ہے کہ ہنوز بہت کچھ جاننا باقی ہے، گویا یون کہنا

چاہئے کہ اس مادی سمت مین بھی ایک طرح کی لا انتہائیت ہے لیکن دوسری طرف کاروباری اصحاب، ارباب فن وادب اہل مذہب اور دیگر پیشہ ور جاعتون نے اپنی قابلیتون اور استعدادون کو دوسرے نہج پر تربیت دیا ہے ان کو سائنس کی تحقیقاتون کا بہت ہی کم علم ہے لیکن وہ ایسے عالم مین کام کرتے مین جہان سائنس کے علاوہ دیگر انسانی اعتبارات، مافوق نظر آتے مین، جہان اس کائنات کا ایک دوسرا ہی رخ نمایان ہوتا ہے، ہماری مراد انسانی زندگی کے اس پہلو سے ہے جہان "یقین" "امید" اور "خیر" جیسے اعلیٰ مقاصد معرض بحث مین آتے مین، لاریب یہ مقاصد اپنے اندر ایسے ہی حقائق اور اسی قدر دلچسپیان رکھتے ہین جیسے کہ سائنس کے مسائل،

بات دراصل یہ ہے کہ یہ کائنات اپنے ہر شعبہ مین ناپیدا کنار ہے، تم جس طرف بھی جاؤ جس شعبہ کی طرف بھی رخ کرو تمہاری ترقیون کی کوئی انتہا نہین ہے، کشف حقائق کا سلسلہ کہین بھی ختم نہین ہوتا مگر ہان نوامیس فطرت ہم پر یکبارگی آشکار نہین کئے جاتے، اس حسن سرمدی کے چہرہ سے نقاب تدریجاً ہی اٹھ رہی ہے، کہ ہماری استعداد ذوق کی رعایت کا تقاضا یہی ہے، اگر وہ جمال محبوب بیک وقت بے نقاب ہو جائے اور یہ جلوۂ ناتمام یکسر تمام ہو جائے تو پھر تفریق و امتیاز کی تمام ہنگامہ آرائیان، عشق و محبت کی تمام سوز شین، تحقیق و کاوش کی تمام تگ و دو ایک تعجب انگیز حیرت مین بدل جائینگی،

کیا آئینہ خانہ کا وہ نقشہ اُن کے جلوہ نے

کرے جو پرتو خورشید عالم شبنمستان کا

لیکن انسان مین ذوق علم و معرفت ودیعت کیا گیا ہے، اس کا تقاضا تو یہی ہے کہ جہان وہ فطرت کو اس کے مختلف شعبون اور حالات مین دیکھنے کا طالب ہے وہان ایک چھپی ہوئی لیکن بہت زیادہ قوی یہ آرزو بھی کام کر رہی ہے کہ وہ حسن فطرت کو اپنے بسیط عالم مین یعنی تعینات کی حدود سے باہر دیکھے، ایک فلسفی بخلاف دیگر محققین علم و فن اسی آخر الذکر جذبہ کا مظہر ہے، اسکی تمامتر جد و جہد یہی ہے کہ حقیقت کے جتنے بھی شعبے اور شاخین ہو سکتی مین ان سب کو یکجا کرے اور ان سب مین باہمی ایک ایسا ربط دریافت کرے جو ان مختلف

علوم و فنون کو باعتبار حقیقت کے ایک بنا دینے والا ہو، ظاہر ہے کہ ایسا کرنے کے لیے ہماری سعی کی ابتدا بہت سادگی سے ہوگی اور شروع مین ہم اپنے آپ کو بعض مخصوص نظائر اور بعض ایسے ہی مخصوص واقعات تک ہی محدود رکھنے پر مجبور ہونگے لیکن جون جون ہماری معلومات مین اضافہ ہوتا جائیگا اور ہم علوم و فنون کے باہمی ربط کی کڑیون کا پتہ چلاتے جائین گے تب یہ واضح ہوگا کہ کشف و تحقیق کے یہ مختلف راستے دراصل ایک ہی منزل تک لیجانے والے ہین یا ایک ہی تصویر کے مختلف رخ ہین،

ہم کو اپنے اندر واقعات کے احترام کا جذبہ پیدا کرنا چاہئے، ایک منفرد واقعہ خواہ وہ کتنا ہی کم حقیقت کیون نظر نہ آئے، لیکن یہ یقین رکھنا چاہئے کہ جب اس نوع کے بہت سے واقعات معلوم ہو جائین گے اور ہم ان کو ایک مناسب ترتیب کیساتھ جمع کر لین گے تو یہی بے حقیقت واقعات ایک مستقل علم و فن بنجائینگے،

عالم ارواح کے وجود کے متعلق جو واقعات اور شہادتین اب فراہم ہوتی جا رہی ہین گو بحیثیت علمی نقطۂ نظر سے ہنوز چندان اہم نہ ہون، لیکن ہم کو جلد بازی اور تعصب سے کام نہ لینا چاہئے، بلکہ صبر و تامل کیساتھ ایک فلسفیانہ وسیع النظری سے ان کی تنقیح و تدوین مین مشغول ہو جانا چاہئے، اور پھر ایک کھلے ہوے دل و دماغ کے ساتھ ظہور نتائج کا منتظر رہنا چاہئے،

بعض لوگ اس کے شاکی ہین کہ وہ واقعات جنپر ہم اپنے نتائج مبنی کرتے ہین، بیشتر کم وزن ہین لیکن یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ان بظاہر بے وزن واقعات مین کیا اہمیت پیدا ہو جائیگی اگر ہم باقاعدہ ان کے مطالعہ مین مشغول ہون اور ان کے سمجھنے کی واقعی سعی کرین، ایک نشان پا یا دھوئین کا ایک دھبہ کس قدر بے حقیقت ہے، لیکن یہی چیز پولیس کے سراغرسان کے لیے بہت اہم ہو جاتی ہے،

"انجمن تحقیق روحانیات" ۱۸۸۲ء مین قائم ہوئی تھی تاکہ وہ اُن اَن گنت شہادتون اور واقعات کی جانچ اور تحقیق کرے جو سننے مین بہت آتے تھے لیکن کبھی ان کی علمی طور پر تحقیقات نہ کی گئی تھی، لیکن جب ان امور کی تنقیح کیگئی اور سوانحات اور دقتون کے باوجود صبر و استقامت کیساتھ تجربات کا

سلسلہ جاری رکھا گیا تب ہمکو اپنی نئی قوتون اور نئی استعدادون کا پتہ چلا اور ان واقعات کی سچائی متحقق ہوئی جواب تک تاریکی یا قصہ کہانیون کے گرد و غبار مین چھپے ہوئے تھے، بیشک ہم کو دھوکون اور فریبون سے سابقہ پڑا لیکن ہم اس سے دل شکستہ نہ ہوئے چنانچہ تدریجًا اہلِ علم مین یہ یقین پیدا ہو رہا ہے کہ وہ عقیدے جو تمام دنیا مین پھیلے ہوئے ہین گو توہمات سے مملو ہین لیکن در اصل حقائق پر بھی مبنی ہین، اس اصل حقیقت ہی کا پتہ چلانا ہمارا کام تھا اور جس طرح بہت سے آثارِ قدیمہ جو زیر زمین مدفون تھے، ہمارے زمانہ مین کھود کر نکال لئے گئے ہین، اسی طرح ان افسانہائے پارینہ کو جب عہد مظلم کے گرد و غبار سے پاک و صاف کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ ان کے اندر بھی کچھ نہ کچھ سچائی ضرور ہے، آئیے اس جگہ ہم بطور خلاصہ کے اُن نتائجِ تحقیق کو بیان کردین جو روحانیین کو معلوم ہوئے ہین، ان مین سے ایک بنیادی اور متفق علیہ امر یہ ہے کہ عالمِ ارواح ایک حقیقت و واقعیت ہے، انسانی ہستی کے مختلف مدارج و مراتب ہین، انسان مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے، انسانی وجود کے ان مختلف مراتب و منازل مین باہم کوئی ناقابلِ گذر حدِ فاصل نہین ہے، اس لئے بعض شرائطِ مخصوص کے تحت مین ارواحِ موتیٰ سے تخاطب و مکالمت ممکن ہے۔

وجودِ روح پر ایک تفصیلی بحث

فرانس کے مشہور فلسفی "ڈیکاڈنس" کے تمام فلسفہ کی بنیاد اس کے اس مشہور قول پر ہے کہ چونکہ "مین غور کرتا ہون اس لیے مین موجود ہون یعنی در اصل غور و فکر ہی کی اہلیت وہ چیز ہے جس کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہون کہ مین "موجود ہون، لیکن سوال یہ ہے کہ اس "مین" کی اصل حقیقت کیا ہے، کیا میرے یہ ہاتھ پاؤن، آنکھ، ناک، اور میرے جسم کے دیگر اعضا، میرے وجود کی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہین، میرے ہاتھ کٹ جاتے ہین لیکن مین موجود ہون، آنکھون کی بینائی چلی گئی لیکن مین فنا نہین ہوا، پاؤن قطع کردئے گئے، لیکن میرا وجود باقی ہے، ان امثال سے ظاہر ہے کہ ان اعضا کو منفردًا میرے وجود کی اصل حقیقت

مین کوئی دخل نہین ہے، اس موقع پر اطبا اور اہل سائنس بڑھینگے اور کہینگے کہ تمہارے وجود کی اصل حقیقت در اصل اس نظام عصبی مین پنہان ہے، جس کا مرکز دماغ اور نخاع ہے یا پھر قلب مرکزِ حیات ہے، تمہارے دماغ یا قلب کو اگر کوئی سخت اذیت پہنچ جائے تو پھر تم ختم ہو جاتے ہو، نہ تم غور کر سکتے ہو، نہ محبت و نفرت، نہ خدا کا خوف ہی باقی رہتا ہے اور نہ مذہب کا جوش و وارفتگی، یعنی تمہارے بلند سے بلند حسیات و جذبات اور تمہارے تخیل کی وسعت و کار فرمائی، تمہاری ساری حکمت و دانش، تمہارا پورا نظامِ اخلاق و عمل ایک دھوکا ہے اور کچھ نہین، بہ الفاظ دیگر انسان عناصر کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس مین غور و فکر، شرم و حیا، محبت و نفرت، پیش بینی اور حافظہ جیسے اوصاف پیدا ہو گئے ہین، جب یہ ترتیب عناصر بگڑ جاتی ہے تو تم بھی ختم ہو جاتے ہو، نہ کوئی روح ہے جو آسمان پر چلی جائے اور نہ عذابِ قبر ہے، نہ سوالِ حشر ؎

زندگی کیا ہے عناصر مین ظہور ترتیب

موت کیا ہے انھین اجزا کا پریشان ہونا

یہ خلاصہ ہے اس نظریہ کا جو انسانی وجود کے بارے مین مادیین پیش کرتے ہین، اس کے بالمقابل ایک دوسری جماعت ہے جس کا دعوٰی یہ ہے کہ ہمارا جسم مادی اور نظام عصبی ہمارے وجود کی اصل حقیقت نہین ہے، بلکہ یہ سب نشیمن اور گہوارہ ہین ایک دوسری اصل کا جس کو ہم روح سے تعبیر کرتے ہین اور اس روح کی نوعیت جیسا کہ مادیین کہتے ہین یہ نہین ہے کہ وہ ہمارے دماغ اور نظام جسمانی کے بعض کیمیائی یا طبعی عمل یا ردِ عمل کا نتیجہ ہے، بلکہ وہ ان سے مافوق ایک ایسی جنس ہے جو مادی نہین ہے اور اس سارے نظام جسمانی عصبی پر بطور مدبر اور حکمران کے متصرف ہے،

انسانی وجود کی حقیقت کے بارہ مین یہ دو بالمقابل نظریات ہین جن پر ہمین غور کرنا ہے اور متقابل دلائل کے وزن کی بنا پر یہ دیکھنا ہے کہ کونسا نظریہ اس قابل ہے کہ اسکو تسلیم کیا جائے،

لیکن قبل اس کے کہ ہم مادی نظریہ کو تفصیلًا بیان کرین ان اخلاقی دقتون کو بھی بیان کر دینا ضروری

سمجھتے ہین، جو اس مادی نظریہ کے بجنسہ تسلیم کرلینے سے لازمی طور پر پیدا ہوتی ہین، اگر انسان اسکے سوا کچھ نہین ہی کہ بعض کیمیائی اسباب کی بنا پر رحم مادر مین کچھ عناصر باہم مرتب ہوگئے ہین اور اوصاف حیات (مثلاً محبت، نفرت، غور و فکر، اخلاقی ذمہ داری کا احساس وغیرہ) نتیجہ ہین اس کیمیائی عمل اور رد عمل کا جو ہمارے جرم دماغی مین غیر شعوری طور پر واقع ہوا رہا ہے تو لازمی طور پر ہم کو یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ ہم سے جو اعمال سرزد ہوتے ہین وہ تمامتر تابع ہوتے ہین اسی کیمیائی یا طبعی عمل کے جو ہمارے دماغ یا نظام عصبی مین ابتدائً پیدا ہوچکا ہے، یعنی اس نظریہ کے تسلیم کرلینے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جس طرح انسان مین غور و فکر اور حسیات و جذبات بذاتہا خود بخود رونما نہین ہوئے اسی طرح ہمسے افعال کا ظہور بھی ہمارے اختیار و تصرف سے نہین ہوتا بلکہ وہ تابع ہوتے ہین ہمارے افکار و حسیات و جذبات کے اور چونکہ خود غور و فکر، حسیات و جذبات بذاتہا کوئی مستقل وجود نہین رکھتے بلکہ نتیجہ ہوتے ہین بعض ان لامعلوم کیمیائی اعمال کا جو ہمارے جرم دماغی مین جسم کے بیرونی یا اندرونی مؤثرات کے باعث پیدا ہوتے رہتے ہین، تو ان مقدمات سے صاف و صریح نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ انسان اپنے افعال پر خود قادر نہین ہی، اسکا ارادہ کوئی مستقل شے نہین ہی، اور اگر صورت حال یہی ہے جیسا کہ اس نظریۂ مادی کے بجنسہ قبول کرلینے سے مستنبط ہوتا ہی تو پھر ایک انسان کی اخلاقی ذمہ داری محض بے معنی ہے، تمہاری عدالتون کا قیام تمہارے جیل اور تادیب گاہین اور تمہارے وہ مدرسے جنمین اخلاقی ذمہ داری کا درس دیا جاتا ہی سب بیکار ہوجاتے ہین، تمہارا اصول سزا و جزا اور قانونی احتساب ایک ایسا ظلم ہی جسکو تم ایک ایسی مخلوق پر کرتے ہو جو اپنے اعمال کی مختار نہین ہی، ایک شخص ایک گرم ملک اور ایک گرم رات مین بعض خاص قسم کی غذائین استعمال کرتا ہے جس سے اسکے جسم کے اندر کچھ کیمیائی اعمال ظہور پذیر ہوتے ہین اور یہی اعمال باعث ہوتے ہین ایک مخصوص قسم کی رد اور مخصوص قسم کے جذبات پیدا کرنے کا جنکی بنا پر ایک مجبور و معذور انسان قتل یا رہزنی کرلیتا ہی تو تم ساری پولیس اور تمام عدالتون کو اسکے پیچھے لگا دیتے ہو، اسکو خطاکار قرار دیتے ہو، درآنحالیکہ لائق الزام انسان نہین ہی بلکہ خود اسکا نظام وجود ہی، یہ جو کچھ بھی عرض کیا گیا ایک حجت الزامی ہی اور گو بذاتہا بہت باوزن ہی لیکن مشککین روحانیت کی تسکین کا باعث نہین ہی، اس لئے اب ہم تفصیل کیساتھ انسانی وجود کے مادی نظریہ کو بیان کرنا چاہتے ہین،

آج سے کچھ عرصہ پہلے تک اہل سائنس اس عالم کی تکوین کا باعث ان ۹۰ یا، عناصر کو سمجھتے تھے جو اس وقت تک دریافت ہوئے تھے، ان عناصر کے متعلق یہ معلوم تھا کہ وہ کبھی معدوم یا فنا نہین ہوتے اور یہ کہ وہ بعض مخصوص خواص طبیعیہ رکھتے ہین، اس دنیا مین جو کچھ بھی بشکل اجسام و اشیا ہم کو نظر آتا ہے وہ انہین عناصر کی کیمیائی ترکیب کا حاصل ہے، یعنی تمام چیزین ایک یا دو یا زیادہ عناصر سے مرکب ہین اور وہ عناصر ان مین ایک خاص نسبت سے ترکیب پائے ہوئے ہین، جب یہ ترکیب کسی کیمیائی عمل سے ٹوٹ جاتی ہے تو ہم کہتے ہین کہ وہ چیز فنا ہوگئی، لیکن دراصل جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ صرف اسقدر ہے کہ اس چیز کے عناصر ترکیبی نے اپنے باہمی ربط کو چھوڑ دیا ہے، جس کے باعث وہ اپنی ابتدائی شکل و صورت مین باقی نہین رہی، ورنہ دراصل عناصر ترکیبی معدوم نہین ہوئے، بلکہ اس فضا مین کسی دوسری ترکیب یا حالت مین ضرور موجود ہین، یہ بیان اپنی توضیح کے لیے ایک یا دو مثالون کا محتاج ہی،

سوڈیم اور کلورین دو عناصر ہین جنمین سے کلورین (ہرین) ایک گیس (ہوا) ہے جو بذاتہ سم ہے، اگر کافی مقدار مین انسان کے پھیپھڑون مین پہنچ جائے تو انسان مرجائے، دوسرا عنصر سوڈیم (SODIUM) ایک طرح کی دھات ہے جو اگر جلد پر لگ جائے تو جلا دے، یہ دونون عنصر جب کیمیائی ترکیب پا جاتے ہین، تو کھانے کا نمک بنجاتا ہے، اسلئے کھانے کے نمک کی اصلیت یہ ہوئی کہ وہ سوڈیم اور کلورین کا ایک کیمیائی مرکب ہی، جب یہ ترکیب کسی دیگر کیمیائی عمل سے بگڑ جاتی ہے تو پھر نمک باقی نہین رہتا، لیکن اس کے اجزائے ترکیبی یعنی سوڈیم اور کلورین فنا نہین ہوتے،

پانی جو ہم روزانہ استعمال کرتے ہین خود دو عناصر سے مرکب ہے، ہائیڈروجن (جو معلوم گیسون مین سب سے ہلکی گیس ہے) اور آکسیجن سے، یہ دونون ہوائین (GASES) جب کسی بڑے بھاری دباؤ کے باعث کیمیائی طور پر ملجاتی ہین تو "پانی" بنجاتا ہے، اب پانی کی اصلیت یہ ہوئی کہ وہ دو عناصر مذکورہ سے ترکیب پائی ہوئی ایک چیز ہے،

ماحصل یہ ہوا کہ اہل سائنس کے نزدیک یہ تمام عالم اور اس عالم کی تمام اشیا انہین عناصر سے ترکیب

بائی ہوئی ہین، یہ عناصر منفرد حالت مین اپنے مخصوص کیفیات اور طبیعتین رکھتے ہین لیکن ترکیب باہمی کے
ایک نئے سلسلۂ خواص کا باعث ہوتے ہین، عناصر کی باہمی ترکیبون مین جسقدر تنوع ہوتا ہے، اسی قدر نئی نئی چ
نئے نئے خواص کیساتھ ظہور پذیر ہوتی رہتی ہین،

عناصر کی ترکیب باہمی کے متعلق یہ جو کچھ بھی عرض کیا گیا سائنس کے ابتدائی دور کی باتین ہین، جب تحق
واکتشاف کی راہین کشادہ تر ہوئین تو معلوم ہوا کہ خود عناصر سالمات سے اور سالمات جوہرون سے ترکیب
ہوئے ہین، اسلئے تکوینِ عالم اور وجودِ اشیاء کا سبب یہ قرار پایا کہ ہر مادی شے مین، (ATOWS)
جوہر ایک خاص نسبت اور ایک خاص نہج سے واقع ہوا ہے، یہی جوہر جب عمل کیمیادی وغیرہ سے اپنی ترتیب
کو بدل لیتا ہے تو وہ چیز بظاہر فنا ہو کر دوسری صورت و شکل اختیار کر لیتی ہے،

عناصر کے غیر فانی ہونے کے ساتھ ہی جو امر اہل سائنس کو دریافت ہوا ہے وہ (ENERGY)
توانائی کا وجود ہے، یعنی اس بیجان مادہ مین جو چیز اصل مین عامل ہے وہ توانائی ہے، توانائی کی مقدار اس عالم مین
کبھی کم و بیش نہین ہوتی، لیکن یہ اپنی شکل اور مقام بدلتی رہتی ہے، ابھی اگر وہ کیمیائی جذب و کشش مین رونما ہو
تو بار دگر بصورتِ برق ہویدا ہوتی ہے، لیکن اس تبدل و تشکل پذیری مین وہ نہ کبھی کم ہوتی ہے اور نہ کبھی زیا
لیکن یہ عالم محض عناصر اور توانائی کی بنا پر مختلف شکلین اختیار نہین کر سکتا اور یہ جو اس دنیا مین مشاہدہ
ہوتا ہے کہ کبھی پانی برس رہا ہے بادل اٹھ رہے ہین، بخارات مائیت مین اور مائیت ژالہ باری مین بدل رہی ہے
زمین نباتی روئیدگی سے یکسر فرش مخملین بنی ہوئی ہے، کبھی گرمی ہے کبھی سردی ہے، الغرض یہ تمام حوادث و تغیرات
محض عناصر اور توانائی کی بنا پر ظہور پذیر نہین ہو سکتے تھے جب تک ایک تیسری چیز نہ ہوتی جو ان عناصر کو ایک
دوسرے سے ملا دیتی، یا پھر ان کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتی، وہ چیز ان علمار کے نزدیک
حرکت ہے یعنی حرکت کے وجود کے باعث ایک عنصر دوسرے عنصر سے جذب و اتصال پاتا ہے، اس جذب
و اتصال سے عناصر مین باہمی کیمیائی عمل ہوتا ہے، اس کیمیائی عمل سے توانائی اپنی شکل بدلتی ہے اور ایک شے ٹو

کر دوسری شے مین تبدیل ہوتی ہے اور اس طرح یہ عالمِ مادی دائمًا ایک حالتِ کون و فساد مین رہتا ہے،

اب اگر ان متذکرہ بالا بیانات کو یکجا کر لیا جائے تو اس عالم کے وجود کا سبب حسبِ تحقیق علمائے طبعیات
کیا قرار پاتا ہے، مختصرًا یہ ہے کہ یہ تمام عالم، مادہ اور مادی عناصر اور ذرات و سالمات مین تقسیم ہے، ان عناصر کے
باہمی ترکیب و تحلیل سے تغیر کیمیاوی ہوتا ہے اور اس کیمیائی تبدیلی سے مختلف چیزین بنتی اور بگڑتی رہتی ہین، یا
ان عناصر مختلفہ مین مخصوص خواص و کیفیات ہین اور ان کے باہمی اتصال و تحلیل سے جو جدید اشیاء ظہور پذیر ہوتی رہتی
ہین ان مین بھی خواص پیدا ہوتے اور بدلتے رہتے ہین،

اس نظریہ کے مطابق دنیا مین کوئی چیز یا کوئی کیفیت یا حالت اس وقت تک پیدا نہین ہو سکتی جب تک
پہلے عناصر مختلفہ مین کوئی کیمیائی تبدیلی واقع نہ ہو یعنی کسی کیفیت کے ظاہر ہونے سے پہلے عمل کیمیائی کا ہونا ضروری ہے
علمائے سائنس نے اپنے اس متذکرہ نظریہ کی بنا پر جو اکتشافات کئے ہین اور اس کو جس حد تک کامل
و مکمل کر لیا ہے وہ یقینًا حیرت انگیز ہے، علوم طبعی کی رسائی بلاشبہہ اس عالمِ مادی کے عمیق ترین رازون تک
ہو گئی ہے، اس کامیابی کا ایک قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سعی کی گئی کہ عالم طبعیات کے جملہ مظاہر و احوال کی توجیہ و
تشریح سالمات کے اسی باہمی عمل و ردِ عمل کی بنا پر کیجائے، چنانچہ انیسوین صدی عیسوی کے تمام ترقی یافتہ علوم
کی عمارتین انھین بنیادون پر استوار کی گئین اور علمائے علم الحیات نے چار و ناچار انہین خطوط پر اپنا کام شروع
کیا اور یہ کوشش کی گئی کہ وہ قانون مادی جو غیر عضوی اجسام پر صادق آچکا ہے اسکو ذی حیات اجسام
کی کیفیات و حالات پر منطبق کیا جائے، چنانچہ اسی نظریہ کے تحت مین یہ دعوی کیا گیا ہے کہ انسان کے جمیع
نفسی اوصاف (شعور، جذبات و افعال) بھی سالمات کے اس عمل و ردِ عمل کا نتیجہ ہین جو دماغ کے اندر
واقع ہوتا رہتا ہے، علم الحیات اپنی اس سعی مین ایک حد تک کامیاب معلوم ہو رہا ہے، توضیحِ بیان کے لئے
ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مبحث کو ذرا تفصیل کیساتھ بیان کیا جائے تاکہ فہمِ مطالب مین آیندہ کوئی
الجھن پیدا نہ ہو، اور ہمارے مخالفین کے دلائل کا سارا زور اور وزن قارئین کے سامنے آجائے،

یہ امر تو بہرحال مسلم ہے کہ دماغی اوصاف کا مرکز ہمارا جرم دماغی ہے اور یہ جرم خود لاکھوں خلایا (CELLS) سے مرکب ہے، یہ خلایا ہی دراصل تمام نفسی اوصاف کا موجب ہیں، خود ان کی ترکیب اور ساخت پیچیدہ ہے اور یہ باہم ایک دوسرے سے مربوط ہیں، ہمارا دماغ، ہمارے نظام وجود کا ایک مرکزی دفتر ہے جہاں سے ہمارے سارے کام ہمارے حیات و جذبات اور ہماری فہم و ادراک کے جملہ وظائف انجام پاتے ہیں، یہیں سے غذا کے ہضم و تقسیم کا عمل ہوتا ہے ہمارے احساسات کا ذریعہ ہماری نقل و حرکت کا مبدا ہمارے غور و فکر کا آلہ یہی دماغ ہے لیکن سب سے زیادہ حیرتناک تو یہ امر ہے کہ علمائے علم الحیات نے ہمارے اس جرم میں وہ مراکز معلوم کر لئے ہیں جو علحدہ علحدہ ہمارے جملہ نفسی اعمال کا مبدا و منشا ہیں، مثلاً ہم کو یہ معلوم ہوگیا ہے کہ بصارت کا مرکز سطح دماغی میں کہاں واقع ہے، سماعت کا تعلق کس مرکز سے ہے، مختلف حرکات کی ابتدا کس نقطۂ دماغی سے ہوتی ہے، نطق کا تعلق کہاں سے ہے، حیات و فکر کس مرکز سے متعلق ہیں، چنانچہ فتور دماغی کے مختلف حالات و اشکال میں یہ مشاہد ہوا ہے کہ متعلقہ مرکز دماغی میں کوئی نہ کوئی فتور موجود تھا، فتور دماغی کے اسباب کو بالتشریح سمجھنے کے لیے ہم کو یہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ہمارا جرم دماغی بذریعہ اعصاب ہمارے اعضا و جوارح سے مربوط ہے، خود اعصاب دو قسموں پر منقسم ہیں، ایک تو وہ اعصاب جنکو ہم اصطلاحاً اعصاب حرکتی (MOTOR NERVES) کہتے ہیں، دوسری قسم کے وہ اعصاب ہیں جنھیں اعصاب حسی کہا جاتا ہے، اعصاب حسی کا فعل یہ ہے کہ وہ جملہ تاثرات کو جو ہمارے آلات حواس (آنکھ کان وغیرہ) میں مرتب ہوتے ہیں، ہمارے مرکز دماغی تک پہنچاتے ہیں اور اس طرح ہم کو اس مخصوص اثر کا علم و ادراک ہوتا ہے، ہم جو آوازیں سنتے ہیں تو اسکے یہ معنی ہوئے کہ ہوا کے تھپیڑوں نے ہمارے کان کی اندرونی ساخت کو متاثر کیا، اور یہ اثر بذریعہ اعصاب اُس مخصوص مرکز دماغی تک پہنچا جس کا تعلق سماعت سے ہے اور اگر وہ مرکز سماعت بیمار یا بیکار نہیں ہے تو ہم آواز سنتے ہیں، اسی طرح جب ہم ہاتھ یا پاؤں کی کوئی حرکت کرتے ہیں تو یہ عمل اس طرح واقع ہوتا ہے کہ ہمارے اس مرکز دماغی میں جسکا تعلق کسی مخصوص حرکت سے ہے ایک تغیر

رونما ہوتا ہے، اور چونکہ یہ مرکز بذریعہ اعصاب اعضائے حرکت سے متعلق ہوتا ہے، اس لیے مرکز دماغی کا فرمان بذریعہ اعصاب ہاتھ پاؤں تک پہنچتا ہے اور ہاتھ یا پاؤں حرکت کرنے لگتے ہیں، یہ مراکز باہم ایک دوسرے سے بذریعہ ان مراکز کے جنکا تعلق خیال وغیرہ سے ہے ملے ہوئے ہیں، جسکا نتیجہ یہ ہے کہ ایک تندرست آدمی کے تمام حرکات و احساسات عقل و شعور کے ماتحت سرزد ہوتے ہیں، لیکن فتور دماغی کی صورت میں یا تو کوئی مرکز دماغی خراب ہو جاتا ہے، یا باہمی مراکز کا جو ربط ہے، وہ ٹوٹ جاتا ہے جسکی وجہ سے افعال کا صدور صحیح طور پر نہیں ہوتا، ایک مثال اسکی وضاحت کے لیے کافی ہوگی،

ایک دماغی بیماری ہے جس کو اصطلاحاً "بصری فتور نطقی گویائی" (VISUAL APHASIA) کہا جاتا ہے، اس مرض میں ایسا شخص جو اس بیماری سے پہلے پڑھا لکھا تھا، کاغذ پر لکھے ہوئے حروف کو دیکھتا ہے لیکن ان کو پہچان نہیں سکتا یعنی کاغذ پر سیاہ نشانات اور انکی کشش کو تو ضرور دیکھتا ہے، لیکن یہ پہچان اسکو نہیں ہوتی ہے کہ یہ کیا حروف ہیں، اس مرض کی وجہ یہ ثابت ہوئی ہے کہ مرکز بصری کا تعلق اس دماغی مرکز سے منقطع ہو جاتا ہے جسکا تعلق لکھے ہوئے حروف کی فہم و یادداشت سے ہے، یہ ایک مثال تھی، ورنہ فن تشریح الاعضاء کی شہادت تو یہی ہے کہ جملہ وظائف دماغی کا تعلق کسی نہ کسی مرکز سے ہے، ادویہ کے اثرات، دیوانگی کے اسباب و علل وغیرہ تمام شواہد اسی حقیقت کو ثابت کر رہے ہیں اور یہ نظائر اس کثرت سے ہیں کہ بعض علمائے علم الحیات کی تو یہاں تک رائے ہے کہ علم النفس بذاتہ کوئی علم و فن ہی نہیں ہے بلکہ وہ علم وظائف الاعضا ہی کی ایک شاخ ہے،

اسی قسم کے تجربات علمی کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ نفس انسانی اور جرم دماغی دو جداگانہ چیزیں نہیں ہیں، ہمارا ہر خیال، ہر خواہش، ہر جذبہ نتیجہ ہوتا ہے ایک طرح کے عمل دماغی کا، ہماری تمام نفسی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہمارے دماغ میں ایک سلسلہ مادی اعمال کا جاری رہتا ہے جو خلایائے دماغی سے بگڑتے اور بنتے رہتے ہیں،

اس تمام تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی دماغ ایک ایسا ظرف ہے جو مختلف قسم کے مادی عناصر و سالمات سے مرکب ہے اور یہ عناصر و سالمات وہی ہین جو ہمکو بیرونی دنیا مین ملتے ہین اور جذب و اتصال عمل کیمیائی اور حرکت کے انہین قوانین کے تابع ہین جنکا ذکر ہم ابتدا مین کر آئے ہین جب کبھی ہم سے کوئی وصف نفسی صادر ہوتا ہے اسکے ساتھ ہی ہمارے دماغ کے اندر بھی ایک کیمیائی عمل وقوع ہوتا ہے اور چونکہ اعمال کیمیائی اور اوصاف نفسی بالکل لازم و ملزوم ہین اسلیے یہ نتیجہ نکالنا بظاہر غیر صحیح بھی نہین معلوم ہوتا کہ ہمارے سارے مظاہر حیات کی حقیقت مادی اور محض مادی ہے یہ ہے وہ مادی نظریہ جسکی بنا پر روح کے وجود کا انکار کیا جاتا ہے، اور دراصل اس نظریہ کا تعلق محض انکار روح ہی سے نہین ہے، بلکہ اس کا ماحصل اور مقصد یہ ہے کہ اس کائنات مین سوائے مادہ اور مادہ کے مختلف حرکات و اشکال کے کچھ نہین ہے اور یہ توقع کیجاتی ہے کہ جون جون ہمارا علم "حرکت" اور مادہ کے اوصاف کی بابتہ وسیع ہوتا چلا جائیگا، ہم اس نظریۂ مادی کو ظہور عالم کے ہر شعبہ پر منطبق کر سکینگے،

لیکن پچاس سال ہوئے کہ اس خیال کے خلاف علم بغاوت بلند ہوا اور تعجب ہے کہ یہ علم ہمکو جن ہاتھون مین نظر آتا ہے وہ خود ان علمائے طبیعیات ہی کے مقدس ہاتھ ہین، اب یہ حقیقت اُن پر واضح ہوئی کہ صرف مادہ کے مظاہر و شیون کا مطالعہ اس عالم کی حقیقت کے سمجھنے کیلیے قطعی ناکافی ہے بلکہ بعض حالتون مین مغالطہ انگیز ہے، اسمین شک نہین کہ ہم کو جو کچھ بھی نظر آتا ہے وہ مادہ ہی کی تغیر پذیری ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ مادی مظاہر و احوال خود اپنے اندر اولیت و تقدیم نہین رکھتے بلکہ خود کسی ایسے محرک کے نتائج و معلول ہین جو مادہ کے علاوہ ہے اور ہماری آنکھون اور حواس سے محجوب ہے، ابتدا ہی سے یہ سوال حل کرنے کے لائق ہے کہ اجسام مادی مین باہمی عمل کے وقوع ہونے کا سبب واقعی کیا ہے یعنی یہ تسلیم کرلینے کے بعد بھی کہ اس عالم کے کون و فساد کا سبب سالمات یا جوہرون کا ایسا عمل ہے جس سے وہ اپنی اس ترتیب مکانی کو بدل لیتے ہین جو مختلف اشیا مین عمل کیمیائی سے قبل پائی جاتی تھی، ہم کو از روے تحقیق یہ بھی معلوم ہے کہ ان سالمات اور جوہرون کے درمیان بھی کچھ نہ کچھ خلا (SPACE) ضرور موجود رہتا ہے اور اس خلا کے متعلق یہ نہین کہا جاسکتا کہ وہ مادہ سے بھرا ہوا ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا

چیز ہے جو ان سالمات کو باہم ملاتی اور ان کے تعامل کا باعث ہوتی ہے، خود نیوٹن (NEWTON) کے سامنے بھی یہ سوال تھا جسکا جواب اُس نے یہ دیدیا تھا کہ بعض ایسی غیر معلوم قوتین ہین جو ان اجسام پر علحدہ سے عامل ہوتی ہین، یہ جواب ایک حد تک تسلی بخش تھا اسلیے اسوقت اس مسئلہ پر مزید توجہ نہین کیگئی، لیکن اس سوال نے قدرتی طور پر ہماری توجہ ایک نئی حقیقت کی طرف منتقل کردی یعنی خلا[1] کے وجود کی طرف، چنانچہ جدید تجربات نے اہل سائنس پر یہ واضح کر دیا کہ خلا بھی اپنے اندر خواص طبعی رکھتا ہے اور یہ جو اجسام مادی مین بواسطہ سالمات و جواہر عمل اور رد عمل نظر آتا ہے، وہ دراصل نتیجہ و معلول ہے اس حالت یا کیفیت کا جو ان اشیاء کے مابین خلا مین اپنا کام کر رہی ہے یعنی مادی مظاہر و شیون براہ راست اس کا نتیجہ نہین ہین کہ مادہ مین ذاتی خواص ہین اور اس کے باعث یہ مظاہر ظہور پذیر ہوئے ہین، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مادہ خود متبع ہے اس چیز یا قوت کا جسکی اصل حقیقت پر ہم مطلع نہین ہین لیکن وہ خلا مین موجود ضرور ہے،

انتقال نور اور اشعاع حرارت کے مسائل سے بھی اسی اصل کی تائید ہوتی ہے، نور یا روشنی مادہ کے ذریعے منتقل نہین ہوتی ہے بلکہ بذریعہ خلا اپنا کام کرتی ہے، روشنی نہایت سرعت اور نہایت ہی آسانی کے ساتھ اس خالی فضا مین سے گذر جاتی ہے لیکن جونہی وہ اجسام مادی کے بالمقابل آتی ہے اسکی سرعت مین کمی آجاتی ہے، مادہ مین کچھ نہ کچھ کثافت کا ہونا یقینی ہے اور اسی کثافت کے باعث روشنی فنا ہو کر حرارت مین بدل جاتی ہے، حرارت شمسی جو سورج اور سیارون سے لکھوکھا میل کا سفر کرتی ہوئی ہم تک پہنچتی ہے اس فضا یا خلا ہی مین سے گذرتی ہے، اس طویل سفر مین وہ اپنی تمام توانائی (ENERGY) کو قائم رکھتی ہے، لیکن ہمکو اسکا احساس و علم اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ اجسام مادی پر اپنا عمل کرتی ہے، جب ہی ہمارے پردۂ چشم پر اسکا اثر ہوتا ہے، ہماری جلد کو متاثر کرتی ہے اور وہ کیمیائی عمل شروع ہو جاتے ہین جنسے ہم شناسا ہین، وہ خصوصاً سبز درختون پر اثر کرتی ہے اور اسی کے باعث یہ ساری نباتی بالیدگی و روئیدگی ہمکو نظر آتی ہے گویا یون کہا جائے کہ خلا کی اسی غیر معلوم قوت و توانائی نے لباس مادی اختیار کر لیا ہے، ایک درخت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ اسی غیر معلوم قوت خلا کا ایک مادی مجسمہ ہے، ہم نباتی روئیدگی کو محض اپنے خشک اور تنگ مادی نظریہ کی بنا پر نہین سمجھ سکتے

[1] ناانصافی ہوگی اگر اس موقع پر یہ ظاہر نہ کر دیا جائے کہ خلا کیطرف سب سے پہلے یونانی حکما اپیکورس (EPECURUS) وغیرہ نے بھی توجہ کی تھی،

جبتک ہم اس قوت کو پیش نظر نہ رکھین جو خلا یا فضا مین پائی جاتی ہی اس قوت کا نام خواہ کچھ ہی کیون نہ رکھ لیا جائے لیکن جو چیز ہکو محسوس ہوتی ہی وہ یہ قوت خلا یا فضا نہین ہی بلکہ وہ صرف مادہ اور مادی شیون و مظاہر ہین، ہمارے حواس تو صرف مادہ اور مادی اشیا ہی کا ادراک کر سکتے ہین،

ماحصل اس تمام گذارش کا یہ ہوا کہ گو ابتداً اہل سائنس بیجان مادہ ہی کو اس تمام کائنات کا اصل اصول سمجھتے تھے لیکن جون جون اس حسن مستور کے چہرے سے نقاب اٹھتی جاتی ہی نئے نئے حقائق جلوہ گر ہو رہے ہین اور اب یہ بات واضح ہوتی جاتی ہے کہ خود مادہ اور مادہ کے یہ مسلمات وجوہر وغیرہ یا انکا باہمی عمل بذاتہ بالکل بے اصل ہین، جبتک ایک تیسری چیز نہ ہو جسکی حقیقت تک تو اہل سائنس ابتک نہین پہنچے ہین لیکن اسکے وجود کا انکار بھی نہ کر سکے، اس چیز کو خواہ توانائی ENERGY خواہ حرکت MOTION خواہ قوت FORCE اور خواہ خواص فضائی (SPACE PROPERTIES) کہا جائے یا پھر اسی کو مذہبی اصطلاح مین "امر ربی" سے تعبیر کیا جائے، الغرض اسکا نام کچھ ہی کیون نہ رکھ لو لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے جسکا براہ راست ہم کو کوئی علم نہین ہو سکتا نہ تو ہم اسکا کوئی وزن کر سکتے ہین اور نہ اپنے آلات علمی کے ذریعہ اسکی کوئی پیمایش عمل مین لا سکتے ہین، اور نہ ہمارے حواس ظاہری پر اسکا کوئی اثر ہوتا ہی لیکن ہان اہل علم اسکے وجود کے تسلیم کرنے پر مجبور ہین اور صرف استدلال و استخراج ہی کی بنا پر اسکے وجود کا اقرار کیا جاتا ہی، کیا اب بھی یہ صحیح نہین کہ علوم طبیعی کی اس فلک بوس عمارت، اہل علم کے کشف و تحقیق کی ناپید اکنار وسعت، رصدگاہون اور معملون کی اس ساری ہنگامہ آرائی کے باوجود ہم جس نتیجہ پر پہنچے وہ صرف اسقدر ہی کہ اس عالم کی تمام بوقلمونیون کا باعث ایک ایسی قوت ہے جسکا ہم کو کوئی صحیح علم نہین ہے، ع

"معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد"

اور کیا یہ واقعہ نہین ہے، کہ جتنا ہمارا علم اس کائنات کے بارہ مین وسیع ہوتا جاتا ہی اسیقدر ہمارا عجز بھی بڑھتا جاتا ہی، اور کیا ان حالات مین ہمارے لیے یہ زیبا نہین ہے کہ ہم اس عالم کی اس لامعلوم قوت مدبرہ کے سامنے جسکو خواہ کسی نام سے پکارا جائے (فلہ الاسماء الحسنیٰ) اور "وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً" پر ایمان لاکر اپنے سر نیاز کو جھکا دین اور اپنے قلب کی تمام گہرائیون کیساتھ رب زدنی علما کی عاجزانہ درخواست مین مشغول ہو جائین،

(باقی)

خسرو باغ کے مقبرے

از

مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی، الہ آباد،

خسرو باغ (الہ آباد) کے پھاٹک مین داخل ہوتے ہی سامنے چار مقبرے نظر آئین گے، مگر ان تک پہنچنے مین تقریباً تین سو قدم کے قریب کا فاصلہ طے کرنا ہوگا،

ان کا منظر مجموعاً نہایت دلکش، دلآویز و نگہ فریب ہے، مسٹر نیویل[1] اور اور دیدہ ور اہل قلم کا قول ہے کہ یہ عمارات انتہا درجہ کی خوبصورت اور مغلون کے عہد مصوری و رنگ آمیزی کا بہترین نمونہ ہین، مسٹر اسٹیل ایک موقع پر لکھتے مین[2] کہ "یہ مقبرے الہ آباد کے علاقہ آثار و صنادید قدیمہ مین بڑے نمود کی چیزین ہین"

اس فن کے ایک نوآموز و کم آشنا کی حیثیت سے مجھے بھی اس بارہ مین غور کرنے اور ان چیزون کو اپنی نظر و استعداد سے مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے، ان مبصرین کی رائے سے کون اختلاف کر سکتا ہے، یہ صحیح ہے کہ خسرو باغ کا مقبرہ اکبر کے مقبرہ کا مقابلہ نہین کر سکتا، دونون عمارتین ایک ہی شخص کے حکم سے بنی ہین، مگر فرق یہ ہے کہ الہ آباد والا گنبد ان فرسودہ اور بوسیدہ ہڈیون کو آغوش مین لیے ہے جو باپ سے بگڑ کر ہمیشہ گرفتار بلا رہنے والے بیٹے، اور بھائی (شاہجہان) کے محسود بھائی کی تھین، جو برہان پور دکن سے اکھاڑ کر یہان لائی، اور دفن کیگئی تھین، سکندرہ کا بے مثل مقبرہ ایک نیک نام و عظیم الشان شہنشاہ کی دائمی دنیوی یادگار کے طور پر ہے جو اسُ ہی جیسے اولوالعزم و منت شناس شہنشاہ نے بنوایا تھا، دادا اور پوتے مین جو قدرتی فرق ہوتا اور ہو سکتا ہے یہان بھی نمایان ہے،

مغلون[3] کے ابتدائی زمانہ کی تعمیرات مین، جنمین اکبر اور جہانگیر کے عہد کی عمارتین بھی داخل ہین بعض خصوصیات

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹیر صفحہ ۲۰۳ [2] ڈسٹرکٹ گزیٹیر سابق صفحہ ۱۳۸ [3] مسٹر کنن ہم کی آگرہ ہینڈ بک صفحہ ۲۹،

ہوتی تھین جو کچھ نہ کچھ ان مقبرون مین بھی پائی جاتی ہین، یعنی بلند اونچے گردنون پر ایرانی وضع کے گنبد، اس طرز کی عمارتین، بیشتر کی بنی ہوئی عمارتون سے دو باتون مین بالخصوص ممتاز و متبائن پائی جاتی ہین (۱) اس امر کی صاف و صریح کوشش کہ ہندؤن کے مختلف منتخب طرز تعمیر و نیز مسلمانون کے مخصوص طریقے اور وضعین متحد و یکجا کر دیجائین (۲) زیادہ قیمتی کھلتے ہوئے رنگ دینا، اس کے لیے عام طور پر سفید سنگ مرمر زیادہ استعمال ہوتا تھا، پھر حسب موقع و ضرورت بیش رنگین پتھرون کا افراط کے ساتھ خرچ اور کھپت، بے شبہہ بعض عمارتون کے متعلق محض اندرونی ساخت سے یہ تمیز (حاصل) کر لینا دشوار ہوتا ہے، یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ چیزین جنکے مکانات و محلات مین موجود ہونے یا نہ ہونے سے بعض باتون کا فیصلہ یا امتیاز ہو سکتا ہے مقبرون اور روضون مین اکثر غائب ہوتی ہین، مثلاً لکڑی کا قطعی استعمال مین نہ آنا، یا سیدھے سادے نمونہ کی محرابین کم بنانا، وغیرہ، مجھے اعتراف ہے کہ خسرو باغ کے مقبرے بے مثل و بے نظیر نہین ہین، نہ ان مین ہمایون کے مقبرے (متصل دہلی) کی سی شان اور لطافت و نزاکت تعمیر و نقاشی پائی جاتی ہے، نہ مقبرۂ اعتماد الدولہ واقع آگرہ کی سی پُر حسین سازی اور منبت کاری، مقبرۂ شیخ سلیم چشتی، قصبہ فتحپور سیکری کی طرح سنگ مرمر پر باریک، نازک اور بے نظیر نقاشی و مشجر کاری نظر آتی ہے، نہ کوئی خاص قابل ذکر حسن وضع و تعمیر ہے، نہ مقبرۂ اکبر (سکندرہ) کی رفعت و عظمت اور ہیبت و جلالت پیدا کرنے والی شان نمایان ہے، تاہم چار مختلف الوضع عمارتون کا ایک سیدھی لائن مین نہ سہی، مگر ایک ہی محاذ مین بہ یک نظر، نظر آنا، ایک کیفیت خاص پیدا کر دیتا اور عجیب دلکشی رکھتا ہے،

نامور فرگسن[۱] سلطان التمش کے روضہ واقع پرانی دہلی کو ہندوستان کا سب سے پرانا مقبرہ بتاتا اور لکھتا ہے کہ یہ مختصر تو ضرور ہے لیکن اسمین ہندؤن کی صنعت کے نفیس و بہترین نمونے جہانتک کہ اسلامی شعائر، خصائص اور شوکت کے مغائر و منافی نہ تھے مناسب حال و شایان شان صرف کر دئے گئے ہین، جن سے یہ نہایت ذی خوبصورت و دلآویز ہو گیا ہے، راقم سطور بلکہ یقیناً ہر ہوشمند دیکھنے والا بہ یک نگہ کہہ سکتا ہے کہ خسرو باغ کے مقبرے

[۱] فرگسن صاحب کی آگرہ ہینڈ بک، صفحہ ۲۰۰، [۲] ہندوستانی اور مشرقی تعمیر کی تاریخ۔ ۱۸۷۶ء،

بھی، اگرچہ مختصر ہین، لیکن ان کی مجموعی کیفیت، مختلف وضع اور متنوع طرز عمارت ایک خاص قسم کی دلکشی اور جذب نظر اپنے اندر رکھتی ہے، اور ہر ایک مین کمال سادگی کے ساتھ ساتھ کمال فن و ہنر بھی نمودار ہے،

سب سے پہلے جس فرض شناس حکمران نے اپنے صوبہ کی عمارات قدیمہ کی طرف توجہ مبذول فرمائی، وہ ممالک مغربی و شمالی کے لفٹننٹ گورنر سر جان اسٹریچی تھے، اوّل اوّل ۱۸۷۶ء مین روضۂ ممتاز محل پہ عنایت کی اور مرمت کرا دی، پھر آگرہ اور الہ آباد کی دیگر بادشاہی یادگارون پر نگاہِ التفات ڈالی، خسرو باغ ان کے دار الحکومت مین ایک ممتاز مقام تھا اور پبلک کے کام کی چیز، بقدر ضرورت اسکی مرمت و درستی بھی کرا دی، دلکش باغ اسوقت بھی اپنے گذرے ہوئے دنون کی دستبرد اور امتداد زمانہ کی تاخت و تاراج کو ناقدری و حقارت کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا، جو اپنی جوئبار شیرین یعنی میٹھے پانی کے حوضون اور بڑے بڑے کنوون اور چشمۂ فیض باؤلی سے سارے شہر کو سیراب کر رہا تھا، جس کے سنہرے انداز چمن بندی و تناسب اجزا کی اسوقت بھی داد مل رہی تھی، جسکا ایک ایک پھول اور ایک ایک پتہ، جس کے مقبرون کا ہر ریختہ و شکستہ پتھر اپنے شاہانہ تکلفات اور نازک ترتیبات کا آئینہ دار تھا، عروس البلاد الہ آباد مین گرمی کی شدت و تابش اور بعض اوقات سردی کی افسردگی و انجماد بھی کائنات کی حسین و جمیل چیزون کو مردہ کر دیتی ہے، مگر خسرو باغ کی معطر ہواؤن کے حیات بدامن جھونکے اس وقت بھی تازہ زندگی پھونک دیتے تھے،

دنیا بدل گئی ہے، وہ بین ہین کہ اب تک ... اپنے مقام پر ہین اپنے مکان پر ہین،

اس کے چھبیس[۱] ستائیس[۲] برس بعد مغل اعظم کے صحیح جانشین اور ان کی عظمت و سطوت رفتہ کے وارث و قابض لارڈ کرزن آنجہانی نے دیرینہ سال عمارات کے ابقاء و پرداخت مین وہ سعی مفرط فرمائی جس کے لئے ہندوستان کے باشندے، بالخصوص احسان شناس مسلمان، ہمیشہ زیر بار منت و شکر گذار رہین گے، سلطان بہار بیگم کے گنبد کا خالی کرا دینا، اور اس کے عوض مین[۳] سوپرنٹنڈنٹ باغات الہ آباد کے لیے ایک قصر پر تکلف جہیا

[۱] ہینڈ بک آگرہ و تاج۔ از مسٹر ہیویل، صفحہ ۴۶، [۲] ڈسٹرکٹ گزیٹر جدید صفحہ ۲۰۳،

کرادینا اسی بلند حوصلہ امیر کا کام تھا، جس کا ذکر مناسب موقع پر عنقریب آئیگا،

تم نے نگاہِ لطف سے رکھ لی ادب کی شرم ورنہ لبون تک آہی چکا تھا گلا ابھی

مقبرون کی نگہداشت اور خسرو باغ کی آبیاری و آراستگی اس وقت حکومت کے دستِ کرم کی ممنون ہے[1]، باغ کے مصارف معقول نفع کے ساتھ خود اسکی پیداوار سے پورے ہوجاتے ہین، پھل پھول، پودون، ہر قسم کے درختون اور قلمون سے اچھی خاصی آمدنی ہوتی ہے، یہان[2] کے گلاب اور گلاب کی قلمین مشہور اور بڑی قدر کی چیزین ہین، الہ آبادی امرودون کی پودہ اس باغ کی قابل اعتبار اور اچھی سمجھی جاتی ہے، منتظمین نے تین[3] تین ایکڑ کے دو قطعے میوہ کے درختون اور پودہ کی پرورش گاہ اور پھل پھول کی بہار دکھانے کے لئے محفوظ رکھے ہین،

انگریزی پیمایش سے باغ کا کل رقبہ ۴۰،۶۰ ایکڑ ہوتا ہے، انتظامی ضرورتون اور سہولت کارروائی کے لیے اسکی تقسیم دو حصون مین کردی گئی ہے، ایک قطعہ ۳،۶۰ ایکڑ کا محکمہ آثار قدیمہ یعنی[4] ارکیالوجی کل ڈیپارٹمنٹ کے نام سے ہے، دوسرا سینتیس ۳۷ ایکڑ زیر اہتمام و انتظام محکمۂ[5] زراعت ہے، عملی طور پر دونون قطعے اور انکی نگرانی محکمۂ زراعت کے ایک ذمہ دار افسر کے ہاتھ مین ہے، اور محکمۂ مذکور کی سالانہ رپورٹون مین دونون کے بقدر ضرورت حالات اور درستی و ترقی کی کیفیت مندرج و شائع ہوتی رہتی ہے، دونون ٹکڑون یعنی آرکیالوجی کل اور زراعتی کا تذکرہ جداگانہ حصون مین ہوتا ہے، آرکیالوجی[6] کل حصہ کی ترتیب جدید حال مین عمل مین آئی ہے اور دو ڈھائی سال ہوئے ختم ہوئی ہے، پرانی سڑک جو فاصل تھی دور کردی گئی، نئی سڑک ایک دلکش روش پر ہموار اور سطح کے برابر نئی ترتیب کے مناسب حال بنائی گئی ہے، پائپ کی لائین نئی قائم کی گئی ہے، فوارے لگائے گئے ہین، تاریخی عمارات کے لیے موزون و مناسب ترصیع کی گئی ہے اور نہایت دلکش و دلآویز ماحول مہیا کردیا گیا ہے، پرانی باؤلی کے متصل دیوارون پر بیلین چڑھائی گئی ہین،

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹیر جلد ۲۳۔ صفحہ ۲۰۳،
[2] رپورٹ باغات سرکاری بابتہ ۳۰-۱۹۲۹، صفحہ ۹
[3] " " " "، صفحہ ۹
[4] " " "، صفحہ ۱۰
[5] " " "، صفحہ ۹
[6] رپورٹ انتظامی باغات سرکاری صوبجات متحدہ، بابتہ ۲۹-۱۹۲۸، صفحہ ۱۰،

اس کے لانون کے شکستہ حال ٹکڑون کی مرمت کردی گئی ہے، خسرو کے مرکزی مقبرہ کے گرد جو کبھی پھولون کی کیاریان تھین، ان مین اب سرسبز و شاداب سدابہار پھلواڑی لگادی گئی ہے، باغ کے گلگشت، نظارہ و تفریح سے حکمران اور محکوم جماعتین دونون یکسان متمتع ہوتی ہین، اس محکمہ کی رپورٹ انتظامی[1] مین اس کا اندراج "تاریخی یادگارون کے باغ واقع خسرو باغ" کے نام سے کیا جاتا ہے،

زراعتی حصہ ۳۷ ایکڑ کا ہے، اسکا شمار "پراونشیل گارڈنیس"[2] کی مد مین ہوتا ہے، اس کی آراستگی و وسائل آمدنی کا ابھی تذکرہ کرچکا ہون، اس کے لانون پر بھی نئی گھانس نئے قسم کی لگائی گئی ہے،

اس سبزہ زار یا ہرے بھرے گھانس کے لمبے چوڑے قطعات پر پہنچکر مجھ ایسے پریشان خیال سیلانی کا دھیان خود بخود ایک دوسری طرف منعطف ہوجاتا ہے، یہان دو اکبر گذرے ہین، ایک اکبر اعظم، دوسرا اکبر کبیر، اکبر اعظم نے اس شہر کی بنیاد ڈالی، بسایا، اور الہ آباس یا الہ آباد بنایا تھا، یہ تو تونگری و حشمت، دولت کی فراوانی اور شوکت و قوت سلطانی کا کرشمہ تھا، اس کو پونے چارسو برس ہوے، دوسرے یعنی اکبر کبیر نے اپنی سخن سنجی و شیرین کلامی اور ذہنی و دماغی کمال سے اسکی دائمی شہرت و بقا کی ضمانت فرمائی، یہ ہمارے آنکھون کے سامنے کی بات ہے، مرحوم اکبر جب اس جگہ پہنچا ہے تو بے اختیار چیخ اٹھا تھا،

لان ٹینس کے لیے بن گئے شاہی گلزار ساتھ سبزہ کے ہجوم گل و سوسن نہ رہا

سب سے پہلے جس یورپین سیاح کے قدم یہان آئے اور جس نے کم و بیش یہان کے حالات قلمبند کئے وہ پادری پیٹر منڈی ہین، انھون نے ۱۶۳۲ء مین اس مقام کو دیکھا تھا اور شاہزادہ خسرو کے مقبرے اور اسکی ترتیب و تزئین کا ذکر کیا ہے[3] انکے دو سو برس بعد ۱۸۲۵ء مین بشپ ہیبر تشریف لائے اور وہ یاتین صفحات تاریخ پر چھوڑ گئے[4]، جنکا بتانے والا نہ اون سے پہلے کوئی گذرا تھا، نہ اُن کے بعد آیا، مشہور انگریزی صناع اور آرٹسٹ مسٹر ٹامس ڈانیال

[1] رپورٹ انتظامی باغات سرکاری صوبجات متحدہ بابتہ ۲۹-۱۹۲۸ - صفحہ ۱۱، [2] ایضا بابتہ ۳۰-۱۹۲۹ صفحہ ۹،
[3] سفرنامہ جلد دوم صفحہ ۱۰۱ [4] ہندوستان کے بالائی ممالک کا کلکتہ سے بمبئی تک کا روزنامچہ سیاحت مطبوعہ لندن، ۱۸۲۸ء جلد اول صفحہ ۳۲۲،

بھی مستحق صد شکر و ستایش ہین، جنھون نے اپنے دوران سفر و سیاحت مین یہان کی بعض عمارتون[1] کے خریطے اور نقشے تیار کئے، یہ ۱۸۰۱ء مین یا اس کے قریب خوش رنگ شائع ہوئے تھے، اور آج بھی بڑے بڑے کتب خانون اور امرا کے ایوانات و قصور کی زیب و زینت ہین، ادب و فضل کی دیوی، حسین و جمیل اشیار کی شیدا، لفظون مین تصویر کھینچ دینے والی فینی پارکس بھی یہان آئی تھی، اور "وانڈرنگس آف اے پلگرم"[2] مین بقدر قلیل حال لکھ گئی ہے،[3]

فارسی مین سب سے پہلے جن صاحب نے خسرو باغ کے (مختصر سہی مگر) حالات قلمبند کئے وہ مسٹر بیل مؤلف مفتاح[4] التواریخ ہین، پھر انگریزی مین جہانگیری سوانح کے سلسلہ مین ذی علم مستشرق بلاک مین صاحب کا دلچسپ آرٹیکل اکتوبر ۱۸۶۹ء کے کلکتہ ریویو مین نکلا، اس کے بعد مسٹر ایسٹ وک نے کتبون کی طرف بھی توجہ فرمائی، اور ان کا منظوم و مقفیٰ ترجمہ کر دیا، جو مرے صاحب کی ہینڈ بک صوبہ بنگالہ[5] مین موجود ہے، صاحب موصوف نے تحریر نہین فرمایا کہ ان قطعات کی نقلین ان کو کہان سے دستیاب ہوئی تھین مگر ترجمہ کی حالت اور اصل سے مطابقت کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ بیل صاحب کی کتاب سے لئے گئے ہین، سب سے آخر ہمارے زمانہ کے مشہور علم دوست مسٹر ہنری بیوریج نے اس طرف التفات فرمایا اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالہ جولائی ۱۹۰۷ء[6] مین ایک عالمانہ مقالہ شاہزادہ خسرو اور اس کے مدفن اور متصل کے مقبرون کی نسبت تحریر کیا، یہ لندن مین بیٹھ کر لکھا گیا تھا، اشعار و قطعات کی نقلین ہندوستان سے سر چارلز ڈبرن کی معرفت حاصل کیگئی تھین، سرمایہ علم و واقفیت کافی اور ذرائع آگاہی و صحت و قابل اطمینان نہ تھے اس لئے غلطیون کا رہجانا ناگزیر تھا، خود ان کو اعتراف تھا کہ ان قطعات (تاریخ) کی زبان کسی قدر مشکل ہے، اس وجہ سے اپنے ترجمون پر چندان اعتماد و اعتبار بھی نہ تھا، اطمینان خاطر کے لیے ہمہ دان و ہمہ زبان سر چارلیس لایل کو بھی دکھا لیا تھا، انھون نے پوری توجہ اور قابل قدر اعانت فرمائی تھی، زبان و مفہوم

[1] امیرالدولہ گورنمنٹ لائبریری لکھنؤ مین شاہ بیگم کے مقبرے، دیوار اور کنگورون کا رنگین نقشہ وغیرہ، [2] پریاگ یا الہ آباد کی ہینڈ بک مرتبہ ہاؤرن ریویو آفیس، صفحہ ۸۰، [3] دو جلدین ۱۸۲۲ء سے ۱۸۳۲ء تک [4] مطبوعہ ۱۸۴۹ء صفحات ۳۳۴ وغیرہ، [5] وغیرہ، مطبوعہ ۱۸۸۲ء، صفحات ۲۷۲ و ۳۷۳، [6] صفحات ۵۹۰ تا ۶۰۳،

کا جہانتک تعلق تھا، ترجمہ تو درست ہو گیا، مگر بیل صاحب اور سر چارلز ڈبرن کے کاتب کی غلطیون کا ازالہ کیسے ہوتا،

دور حاضر کے عدیم النظیر فاضل اور میرے محسن مسٹر ڈیوہرسٹ نے جب ممدوح حُسن اتفاق سے، الہ آباد مین قیام گزین تھے ان پر نظر ڈالی اور سوسائٹی مذکور کے رسالہ جولائی ۱۹۰۹ء مین[1] انکی تصحیح اور بحالت ضرورت جابجا توضیح کر دی، بعض غلطیان فاش تھین، محض ٹائپ کی، مثلاً "سلمیٰ" کی جگہ "معلّی"۔ ان کے نقل یا بیان کرنے کی ضرورت نہین،

یادش بخیر، مسٹر طامس ولیم بیل سب سے پہلے مورخ ہین، جنھون نے اپنے زمانہ کی ایک رائج ملک زبان (فارسی) مین خسرو باغ[2] اور اس کے مقابر کا ذکر مفتاح التواریخ مین لکھا اور اس کے بعد ایک اور کارآمد جامع اور مفید کتاب اورنیٹل بیاگرفی کل ڈکشنری تحریر فرمائی، جسمین مشاہیر شرق کے ضروری اور پُر از معلومات مآثر انگریزی مین لکھ دیئے ہین، مسٹر بیوریج کو اس کمی کا احساس ہے،[3] کہ مسٹر کین نے بیل صاحب کی کتاب (ڈکشنری) کو ترجمہ اور ایڈٹ تو کیا مگر تاریخون کو چھوڑ دیا ہے، ان کو افسوس ہے کہ بیل صاحب کی کتاب پھر (۱۸۸۱ء کے بعد) طبع نہین ہوئی، مسٹر بیوریج کا خیال ہے کہ "مسٹر بیل یوریشین رہے ہونگے، اور ضرور فارسی کے بڑے فاضل ہون گے، مسٹر کین لکھتے ہین کہ یہ بہت بڑی عمر پا کر ۱۸۷۵ء کے موسم گرما مین بمقام آگرہ فوت ہوئے، جہان صدر بورڈ مال کے دفتر مین محض ایک کلارک کی حیثیت سے ملازم تھے،[4] لیکن ڈھاکہ کے ٹیلر صاحب، بہار کے کرسچین صاحب اور مانشیر رایان (معروف بہ حاجی مصطفیٰ، مترجم سیر المتاخرین) کی طرح کتنے[5] ایسے زندہ جاوید نام ملین گے جو بہت سی مستقل اور ہمیشہ رہنے والی کارآمد و مفید تالیفات چھوڑ گئے ہین، ان کے مقابلہ مین بہت سے بلند مرتبہ یورپین افسران کی کیا عزت ہو سکتی ہے، سر ہنری ایلیٹ صاحب کی تاریخ کا اختصام بیل

[1] صفحات ۶۶۴، تا ۶۹۹، [2] صفحات ۳۳۴ تا ۳۳۴، [3] رسالہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی، جولائی ۱۹۰۷ء صفحہ ۶۰۳۔

[4] اورنیٹل بیاگرفی کل ڈکشنری، مطبوعہ ۱۸۸۱ء۔ تمہید صفحہ اول [5] یہ تینون صاحب مخلوط النسل تھے اور کسی بڑے عہدہ تک نہین پہنچے، مگر علمی و ادبی سرمایہ کثیر چھوڑ گئے ہین، سیر المتاخرین کے ترجمہ سے زیادہ اسکی تمہید اور شیرین زبان قابل مطالعہ و تحسین ہے، ایک یوندی فرانسیسی اور ایسی پیاری انگریزی،

صاحب کی تاریخ کے ذکر اور انکی قلمی اعانت کے اعتراف پر ہوا اور بالکل بجا ہوا ہے، امید ہے کہ ان کے مدفن کا تعین اور علم ہوگا، اور اس پر پتھر بھی ہوگا، نامور فاضل (مسٹر ای بی) ایسٹ وک (سحابی) نے مرے کی ہینڈبک مین کیتھرائن پیل کی قبر کا ذکر کیا ہے، جو اگست ۱۶۱۵ء مین فوت ہوئی تھین،

پروفیسر ڈوسن نے بھی اپنی تاریخ ہند کی آٹھوین جلد مین ان کا تذکرہ کیا ہے[۱]،

مسٹر بیل کے اس تذکرہ پر بعض مغرب پرست حضرات چین بہ جبین ہونگے اور یہان شاید بے محل قرار دینگے، راقم ہیچمدان کے خیال مین کسی علمی یا تاریخی تحریر کو محض پٹواری کی کھتونی نہ بنانا چاہئے جسکی خانہ پری بلا ازدیاد حرف کافی و وافی سمجھی جائے اور خلاف ورزی مستوجب باز پرس متصور ہو، جس شخص نے اپنی جنبش قلم سے خسرو باغ کو صفحات کاغذ پر حیات تازہ بخشی کیا وہ اس قدر اعتنا و التفات کا بھی مستحق نہین، جو نہ صرف خسرو باغ، نہ صرف الہ آباد، نہ صرف ہندوستان، بلکہ پورے مشرق براعظم ایشیا سے بھی کچھ زیادہ کا محسن و خدمتگذار ہے؟

افسوس ہے کہ ان مقبرون کے حالات تفصیل کے ساتھ درکنار برائے نام بھی کسی پرانی کتاب مین نہین ملتے، مسٹر بیل نے جس قدر تحریر کئے ہین[۲]، اس سے کسی تشنۂ تحقیق و تجسس کی تسکین نہین ہوتی، ان کی مختصر تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ یہان چار روضے ہین جنپر عالیشان گنبد بنے ہین:-

(۱) چھوٹا سا، پچھم طرف، معلوم نہین کون دفن ہے، بعض کہتے ہین کہ بی بی تمبولن کا روضہ ہے،

(۲) عمارت سنگین، دو گنبد، مادر خسرو کا مزار ہے،

(۳) روضہ، وسط باغ مین بڑے دروازے کے مقابل ہے، سلطان خسرو کی ہمشیر نے ۱۰۳۴ھ مین اپنے دفن کے لیے یہ عمارت بنوائی تھی، کہین اندر مرین، خالی ہے، شعر بہت سے لکھے ہین،

(۴) روضہ، بسمت مشرق، مرقد خسرو،

گزیٹیر سابق کے ذی علم مؤلفین کی جماعت نے جو مسٹر اسٹیل، مسٹر فشر اور مسٹر (حال سر) جان پریسکوٹ

۱؎ تاریخ ہند خود اہل ہند مورخین کے قلم سے، مطبوعہ ۱۸۷۷ء، ۲؎ مفتاح التواریخ، صفحات ۳۳۵ تا ۳۳۷،

ہیوبٹ پر مشتمل تھی صرف امور ذیل کے لکھنے پر قناعت کی،

(۱) اس راجپوت ملکہ کی قبر مع اسکی بیٹی اور بیٹے خسرو کے مقبرون کے خسرو باغ مین واقع ہے[۱]،

(۲) سڑک کی دوسری طرف وہ مکان ہے جسمین سوپرنٹنڈنٹ باغ کی بود و باش ہے، عام روایات کے مطابق تمبولی بیگم کا مکان کہلاتا ہے، ممکن ہے کہ یہ وہی شاہزادی ہو جو فتحپور سیکری مین استامبولی بیگم کے نام سے یاد کیجاتی ہے[۲]،

جدید گزیٹیر مین کرنل نیویل نے اسی قدر[۳] لکھا کہ "خسرو کی ماں "رانی" نے افیون کھائی، وہ اس باغ مین دفن ہے، اسی جگہ خسرو اور اسکی بہن کے بھی مقبرے ہین، دوسرے موقع پر[۴] اضافہ فرماتے ہین:-

۱- خسرو یہان کے چارون مقبرون مین سے بالکل اخیر پورب کے مقبرہ مین دفن ہے،

۲- دوسرا مقبرہ خسرو کی بہن کا ہے جو ۱۶۲۵ مین مری تھی، اسمین بہت سے کتبے ہین مگر اکثر اب شکستہ حالت مین ہین،

۳- تیسرا خسرو کی مان کا ہے،

۴- باغ کے عین وسط مین چوتھا مقبرہ ہے جو تمبولن کا کہلاتا ہے، کچھ عرصہ تک افسر منتظم باغ کا مسکن رہا تھا، ان صاحبون نے اور جو دو ایک باتین کام کی لکھی ہین، وہ ہر مقبرہ کے جداگانہ حالات مین نقل کیجائین گی، ڈاکٹر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر، ڈائرکٹر جنرل امپیریل گزیٹیر آف انڈیا نے بھی صرف چند لفظون مین خسرو باغ کا تذکرہ ختم کر دیا ہے، لکھتے ہین[۵]، "یہ باغ اور روضہ شاہزادہ خسرو ریلوے اسٹیشن کے متصل ہے، مقبرہ پر ایک خوبصورت گنبد دار عمارت تاج کے طرز کی بنی ہے، اس کے اندر پھولون اور چڑیون کی تصویرین ہین، دو اور چھوٹے چھوٹے مقبرے اسکے متعلق ہین"، تاج کی نظیر شاید اسکی بے نظیر شہرت و نام کے سبب سے آپنے پیش کی ہے، ورنہ وہ تو سالہاے دراز کے بعد بنا ہے، آپنے دیکھا گزیٹیر والون نے کس اختصار سے کام لیا ہے مفتاح التواریخ ہو یا کوئی ہینڈبک یا گزیٹیر، انکی تحریرون مین فرق محض طرز ادا کا ہے، بیل صاحب لکھتے تو اپنے طرف سے اور فارسی مین ہین، مگر مغربی انداز پر

۱؎ ڈسٹرکٹ گزیٹیر سابق، صفحہ ۱۳۸، ۲؎ ایضاً صفحہ ۱۶۵، ۳؎ ڈسٹرکٹ گزیٹیر جدید، صفحہ ۱۶۹، ۴؎ ایضاً صفحہ ۲۸۳، ۵؎ مطبوعہ ۱۹۰۳ء کے صفحہ ۱۹۸، جلد اول صفحہ ۱۸۳ پر بھی ذکر ہے مطبوعہ ۱۸۸۵ء،

پہلے بائین جانب نظر ڈالتے اور بائین سے شروع کرتے ہین، مسٹر اسٹیل باوجود اپنی مغربی و فرنگی جبلت و وضع کے [illegible] داہنی سمت دیکھنے اور اسی طرف سے لکھنے لگتے ہین، کرنیل نیویل نے جو قلم اور تلوار دونون پر یکسان قدرت [illegible] رکھتے ہین، اس مہم مین جادۂ کہن یعنی اسٹیل صاحب کی مختصر نگاری کی فرسودہ روش سے ہٹنا گوارا نہین فرمایا، ایک متبع یا مقلد کی طرح قدم بہ قدم چلے اور ایک ناقل کے طور پر انہین کے الفاظ کم و بیش دہرا دیے ہین،

ڈاکٹر فوہرر[1] اپنی کتاب "صنادید ہند" مین اتنا ہی لکھ کر خاموش ہوگئے کہ "یہان خسرو، اسکی مان اور بہن کے مقبرے اور تمبولن بیگم کا مکان ہے" اس تحریر مین نہ کوئی سلسلہ ہے نہ ترتیب، کوئی کیا کہہ سکیگا!

مسٹر بیورج[2]، ایسٹ وک صاحب کے حوالہ سے نقل کرتے ہین کہ نورجہان کا بھی ایک خالی مقبرہ یا سینوٹاف[3] خسرو باغ مین تھا،

ایک کارآمد و راحت رسان چیز اگلے زمانہ کی اہم اور ضروری تعمیرات مین داخل تھی اور یہان بھی موجود تھی، ایک شاندار باؤلی تھی، حال کے مورخین نے وطنی ہون یا مسافر اس کے بارہ مین کچھ نہین لکھا، صرف پیٹر منڈی صاحب نے جو ۱۶۳۲ء مین یہان آئے تھے تحریر[4] فرمایا ہے:-

"خود باغ کے پاس ہی ایک خوبصورت باؤلی یا کنوان ہے، اس مین ایک سو بیس سے زیادہ سیڑھیان ہین، خوشنما شہ نشین اور محرابین ہین، پچیوں کے درخت ہین، گرمی مین رہنے کے لئے سردخانے اور ٹھنڈے ٹھنڈے مکان ہین، جو "فریسکو" یعنی خنک اور سایہ مین تازہ تازہ ہوا کے پہنچنے کے لئے بنائے گئے ہین، اوپر سے نیچے تک پہنچنے کا راستہ اندر ہی اندر ہے، یہ راستہ وسیع، کشادہ، آسان گزار اور خوب روشن ہے، حتی کہ ایک چھوٹا سا بچہ بھی نیچے چلا جاتا اور اپنے ہاتھ سے پانی پی لیتا ہے، ٹھیک اسی مقام کے اوپر جہانتک پانی ہے ایک کنوئین کا اچھا سا منہ ہے

[1] جلد دوم بابتہ ممالک مغربی و شمالی و اودھ، صفحہ ۱۳۰، [2] جرنل رایل ایشیاٹک سوسائٹی، جولائی ۱۹۰۶ء، صفحہ ۶۰۷، نوٹ ۲، [3] خالی مقبرہ جو کسی شخص کی یادگار مین جو کہین اور دفن ہو، بنا دیا جائے، [4] سفرنامہ پیٹر منڈی، جلد دوم صفحہ ۱۰۱، اور مرے صاحب کی بنگالہ کی ہینڈ بک، صفحہ ۳۶۴، پروفیسر بنی پرشاد کی تاریخ جہانگیر، صفحہ ۱۳۴،

یہان سے لوگ اپنے برتنون، بیلون اور طریقون سے پانی کھینچ لیتے ہین"

مسٹر ڈانیل[1] نے اپنے نقشہ مین ایک موقع رانی یا شاہ بیگم کے مقبرہ کے متصل بھیم کو دکھایا ہے، جسمین بلند چبوترہ اور سنہ وغیرہ بھی صاف نمایان ہین، بہت سے تماشائی، نیز حاجتمند مرد و عورت، پانی لیجانے کے مختلف برتنون اور جانورون کیساتھ، کھڑے، بیٹھے چلتے پھرتے نظر آتے ہین، مگر یہ جگہ باؤلی کی نہین، بلکہ کنوئین کی معلوم ہوتی ہے، باؤلی کا انجام اس کے مقام پر تحریر کیا جائے گا،

پریاگ یا الہ آباد کی ہینڈ بک مرتبہ ماڈرن ریویو آفس مین اس قدر لکھا ہے[2] کہ "پرانا کنوان اور پانی کی نہرین اور نالیان ایسی خوبصورت ہین کہ انکی تصویرین پیش کیجاتی ہین"

بیورج صاحب فرماتے ہین[3] "کہا جاتا ہے کہ خسرو کے دو بیٹے بھی خسرو باغ مین دفن ہین"

سلطان خسرو اور شاہ بیگم کے پہلوؤن مین متعدد چھوٹی بڑی قبرین موجود ہین، کوئی کتابہ نہین نہ کسی تاریخ مین تذکرہ ہے، اسلئے ان شاہزادون کے مرقد کا وثوق و صحت کیساتھ تعین کرنا اس وقت دشوار ہے، آجکل کے بعض کم محنت آسان پسند لوگون کا شیوہ بلا تحقیق و تلاش ہر بات مین دخل در معقولات کرنا اور اپنی ہمہ دانی کے اظہار کے لئے کچھ نہ کچھ لکھ دینا ہے، میرے نزدیک یہ کوئی مستحسن اور پسندیدہ روش نہین، ورنہ یہ کہدینا سہل نیز قرین قیاس بھی تھا کہ خسرو کی قبر کی بغلون مین جو دو لڑکے دفن ہین یہی شاہزادے ہین، کب مرے اور کس عمر مین، خسرو سے کتنے دن بعد، کیا نام تھا، آج ان سوالات کا جواب شافی کون دیسکتا ہے؟

باغ کے اندر داخل ہونے کے بعد، بلکہ پھاٹک مین قدم رکھنے کے ساتھ ہی، ان عمارات پر میری نگاہ دفعۃً جس سلسلہ و ترتیب سے پڑی تھی حوالۂ قلم کرتا ہون اور وہ کرنیل نیویل کی تحریر کے مطابق ہے،

داہنی طرف سے سڑک کے ایک جانب،

پہلا[4]، خسرو کا مقبرہ، گنبد دار، رفیع و وسیع، کواڑ بھی ہین، بغلون مین دو لڑکے، پھر کچھ ہٹ کر، سنگین حوض

[1] موجودہ امیر الدولہ گورنمنٹ لائبریری، لکھنؤ، [2] صفحہ ۵۰، [3] جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی، جولائی ۱۹۰۶ء، صفحہ ۶۰۷،

ہشت پہل مع فوارہ، ویران وخشک، اُسی لین مین،

دوسرا خسرو کی بی بی کا، بلند گنبد، لیلی بیگم کہلاتی ہے، قبر کا نشان اوپر ہے، مسٹر بیلی اور گزیٹیر والے اسکو خسرو کی بہن، سلطان النسا یا سلطان بہار بیگم کا لکھتے ہین، اور یہی قرین قیاس وقابل قبول ہے،

پھر ویسا ہی ہشت پہل رنگین حوض اور فوارہ،

تیسرا شاہ بیگم کا سہ منزلہ مختصر قبہ اوپر ہے، بیگم کے داہنی طرف دو قبرین، بائین جانب دو پہلو کی صحن چبوترہ مین بھی قبرین، کواڑون سے محفوظ ہے،

ان مقبرون کے پیچھے حوض کی پشت پر قدآدم پردہ کی دیوار، جس سے کبھی پانی کے جھرنے اور آبشار روان رہے ہونگے، دوسرے قطعے مین، پچھم طرف، اس قطار سے علحدہ، تمبولن یا تمبولن بیگم کا،

ان کی تیسری ترتیب تو قدرتی، یعنی تعمیر در زمانۂ تعمیر کے لحاظ سے یہ ہونا چاہیے تھی،

۱۔ شاہ بیگم - ۱۰۱۲ھ

۲۔ خسرو - ۱۰۳۱ھ

۳۔ سلطان بہار بیگم - ۱۰۳۴ھ

۴۔ تمبولن کا - لامعلوم،

پہلی قبر بناتے وقت کس کو خیال ہوگا کہ یہان اور شاہزادے اور بیگمین بھی کبھی دفن ہونگی، بعد کی تعمیرات مین ہی سو، اتفاق سے کوئی سلسلہ وترتیب ملحوظ نہ رکھا گیا محض گنجایش پر نظر ڈالی گئی، جہان جگہ پائی آباد کر دیا،

(باقی)

رقعات عالمگیری

اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانۂ شہزادگی ... بادشاہ تک لا عزہ کے نام لکھے گئے ہین، اس جلد مین جمع کیے گئے ہین اور انشاء علم ادب [illegible] ... حقایق کا انکشاف ... صفحات ... چھپائی لکھائی کاغذ بالخصوص ایڈیشن نہایت دلفریب قیمت للعہ

"منیجر"

نواب امیر الممالک آصف الدولہ صلابت جنگ مرحوم

کے

بعض عنایت نامے

ازجناب محمد غوث صاحب (عثمانیہ) حیدرآباد دکن

حضرت ناصر جنگ شہید کی پیشگاہ سے جو عنایت نامے تنجاور کے راجہ پرتاب سنگھ کے نام صادر ہوئے تھے وہ گذشتہ مہینے مین پیش کئے جاچکے ہین، اس وقت نواب صلابت جنگ مرحوم کے بعض عنایت نامون کے متعلق کچھ لکھنا مقصود ہے،

فی الوقت حضرت مرحوم کے (۷) عنایت نامے پیش نظر ہین، یہ بھی راجہ پرتاب سنگھ ہی کے نام ہین، افسوس ہے کہ ان کے لفافے بھی تلف کر دیئے گئے ہین، البتہ ان کی پشت پر اصل مہر چسپان کر دی گئی ہے، دو عنایت نامون کی پشت پر مرہٹی مین خلاصۂ عنایت نامہ درج ہے، اس سے عنایت نامون کو تنجاور سے متعلق ہونے کی شہادت قوی تر ہو جاتی ہے،

یہ عنایت نامے بھی افشانی کاغذ پر ہین، بعض "خاص" سے بھی مزین ہین، ایک عنایت نامہ پر مشرح دستخط خاص "موجود ہے، "شہامت وجلادت دستگاہا" کے القاب استعمال فرمائے گئے ہین، دو عنایت نامون پر "صلابت جنگ بہادر ۱۱۶۶" کی مہر ثبت ہے اور باقی پر "آصف الدولہ ۱۱۶۵" کی مہرین ہین،

(۱)

تاریخی طور پر معلوم ہے کہ محرم ۱۱۶۴ھ مین قلعہ نصرت گڈھ جنجی پر از سرنو قبضہ کرنے کے لیے حضرت ناصر جنگ

شہید نے ارکاٹ سے کوچ فرمایا، اس کے بعد میدان قپچی مین جو معرکہ درپیش ہوا اسمین اعداء نے حضرت موصوف کو اپنی تفنگ کا نشانہ بنایا اور طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اس کے ساتھ ہی نواب مظفر جنگ کی حکمرانی کا پھر اعلان ہوا، نواب مظفر جنگ نے کرناٹک کے انتظامات سے فراغت حاصل کرکے جانب بلدہ فرخندہ نہاد عزم فرمایا، لیکن اثناء راہ ہی مین ہمت بہادر خان کے ہاتھون سے نواب مظفر جنگ کی زندگی کا بھی خاتمہ ہوگیا، اب حضرت آصف جاہ اوّل کے ایک دوسرے فرزند نواب صلابت جنگ وارث مسند آصفی قرار پائے، اس زمانہ مین دہلی سے کوئی فرمان صادر ہوا، اس کے ضمن مین ذیل کا عنایت نامہ مرحمت ہوا، اس عنایت نامہ پر "صلابت جنگ بہادر ۱۱۶۴" کی مہر چسپان ہے اور پشت پر خلاصۂ عنایت نامہ مرہٹی مین درج ہے، عنایت نامہ نے اسطرح نگارش پائی ہے:-

"درین زمان مسرت پیرا و اوان دولت افزا کہ افضال الٰہی شامل حال و امداد سماوی باعث حصول امانی و آمال فرمان والاشان مرحمت عنوان مزین بخط اقدس اعلیٰ مرقوم قلم فرنگ بہ کمال تفقد و عنایت با خلعت دو شالہ ملبوس میمنت اختصاص از حضور پر نور شرف ورود بخشیدہ باعث وفور سرور و شکر سپاس حضرت رب غفور شد، حضرت تعالیٰ و تقدس مراحم خاقانی را کہ فی الحقیقہ پرتو الطاف سبحانی است، بر جمیع فدویان و دولت خواہان مبارک و ہمایون و ظہور این مکارم ذریعہ ترقیات و جمعیت روز افزون سازد، زیادہ چہ نوشتہ شود"

(۲)

نواب صلابت جنگ مرحوم بعد مسند نشینی حیدرآباد فرخندہ بنیاد مین رونق افروز ہوئے، بعدازان جانب اورنگ آباد قصد فرمایا، اس زمانہ مین مرہٹون نے جو قوت پیدا کرلی تھی اس کا تذکرہ موجب تطویل ہے، مختصر یہ کہ بالاجی راؤ پسر باجی راؤ پیشوا نے احمد نگر پر قبضہ کرلیا تھا، اس کی تنبیہ کے لیے نواب صلابت جنگ مرحوم نے لشکر کو کوچ کا حکم فرمایا، سخت معرکون کے بعد لشکر آصفی فتحیاب ہوا، اس تقریب مین جو عنایت نامہ شرف صدور پایا،

وہ ذیل مین نقل کیا جاتا ہے،

واضح ہو کہ یہ عنایت نامہ بھی جس کی پشت پر مرہٹی مین خلاصہ درج ہے بہ مہر "صلابت جنگ بہادر ۱۱۶۴" جاری ہوا، بہرحال مضمون عنایت نامہ یہ ہے:-

"الحمد للہ والمنۃ بالاجی از قرار واقع سر جنگہاے مستوفی یافتہ بکمال عجز و الحاح ناہج منہج قویم اطاعت و انقیاد گردید، و غاشیۂ اذعان و فرمان برداری را بر دوش کشید لہٰذا بہم عنانی جنود مجندہ ہدایت الٰہی افواج ظفر امواج پاشنہ کوب متوجہ آن حدود[1] داشت و عنقریب نزول اجلال فرخندہ قاطبۂ از غبار فتنہ و فساد مفسدان و متمردان آن مرز و بوم را صفائے تمام می بخشد با وصف تاکیدات حضور در تقدیم وفاق و اتفاق گورنر[2] بہادر ظفر جنگ جنرال بندر پھلچری[3] و شمس الدولہ بہادر مبارز جنگ[4] و اجتناب موفور از رفاقت محمد علی خان باغی[5] ظہور اعانت باغی مزبور ازان شہامت پناہ خلاف مرضی و بسیار بد واقع شدہ[6] بہر تقدیر مضی ما مضی الحال بمجرد ورود این پروانہ عاطفت نشانہ ازین حرکت بے برکت احتراز کلی ورزند، و سود و بہبود حال و مآل خود در الملحوظ داشتہ ازین معنیٰ محترز باشند، و بحضور معروض دارند والا ہیچ وجہ نتیجہ نیک نخواہند یافت خیر شرط است، زیادہ چہ نوشتہ شود"

(۳)

نواب مظفر جنگ عازم بلدہ فرخندہ بنیاد ہوئے تو نواب حسین دوست خان نے صوبہ داری کرناٹک

[1] ملک کرناٹک مراد ہے، ۱۲ [2] لفظ گورنر کو اسطرح اس زمانہ مین لکھا جاتا تھا، ۱۲ [3] ڈوپلے مراد ہے، [4] نواب حسین دوست خان چندا صاحب مراد ہین، [5] نواب والاجاہ بہادر مراد ہین، چونکہ نواب صلابت جنگ بہادر فرانسیسی اثر سے مسند آرا ہوئے تھے اور تاحال ان پر فرانسیسی اثر کافی طور سے موجود تھا، لہٰذا نواب والاجاہ بہادر کی مخالفت ظاہر ہے، نواب والاجاہ بہادر فرانسیسی اثر و اقتدار کے بالکلیہ مخالف تھے ۱۲، [6] راجہ پرتاب سنگھ نے کرناٹک کے ان ہنگامون مین جو نواب ناصر جنگ شہید کے بعد ظہور پذیر ہوئے نواب والاجاہ بہادر کا ساتھ دیا تھا بنابران یہ عتاب صادر ہوا، ۱۲

کے لئے بڑی جد و جہد کی، نواب مظفر جنگ نے ان کو اس خدمت پر مامور کیا تھا، نواب والاجاہ بہادر حسب فرمان وصلی جو نواب ناصر جنگ شہید کی وساطت سے مرحمت ہوا تھا، خود کو اس خدمت کا مستحق خیال کرتے تھے، ان دونوں دعویداروں نے اپنی پوری قوت صرف کی، انجام کار نواب حسین دوست خان کو راجہ پرتاب سنگھ کے ایک جنرل مانا جی راو نے دھوکہ دیکر شعبان ۱۱۶۵ھ میں قتل کر ڈالا، اس واقعہ کے بعد نواب صلابت جنگ مرحوم نے جو عنایت نامہ جاری فرمایا وہ یہ ہے:-

"فوجداری و متصدی گری ارکاٹ وغیرہ کرناٹک پایان گھاٹ از انتقال شمس الدولہ حسین دوست خان بہ شہامت و بسالت دستگاہ غلام مرتضیٰ خان بہادر[1] مقرر و مفوض شد کہ باتفاق و استصواب مہربان بلند مکان گورنر بہادر جنرال ظفر جنگ[2] بسرانجام مہام انجا پردازند آن شہامت دستگاہ بموافقت و مرافقت گورنر بہادر و غلام مرتضیٰ خان بہادر کوشند کہ موجب . . . . . . و ذریعہ بہبود ان جلادت دستگاہ خواہد بود، زیادہ چہ نوشتہ شود"

متذکرۂ بالا عنایت نامہ بہ مہر "آصف الدولہ ۱۱۶۵" نافذ ہوا۔

(۴)

اسی ضمن میں ایک دوسرا عنایت نامہ بھی صادر ہوا، اس پر بھی "آصف الدولہ ۱۱۶۵" مہر چسپاں ہے، عنایت نامہ کے مضمون نے اس طرح نگارش اختیار کی ہے:-

"قبل ازیں عنایت نامجات متواتر متضمن طلب حضور بہ انور الدین خان بہادر[3] ترسیل یافتہ حالا ہم بتاکید تشدید نوشتہ شدہ یقین کہ مطابق حکم کاربند خواہد شد، چون خدمت جلیل المرتبت ارکاٹ و ترچناپلی بعہدہ صاحب مہربان گورنر بہادر ظفر جنگ[4] مقرر است درین ولا نیابت عمدہ صاحب معز الیہ بہ شہامت دستگاہ غلام مرتضیٰ خان[5] تفویض یافتہ باید کہ آن جلادت دستگاہ باتفاق و استصلاح گورنر بہادر تحریک خان

[1] غلام مرتضیٰ خان ویلور کے جاگیردار تھے، اور نواب حسین دوست خان کے خاندان سے ہی تھے، ۱۲ [2] ڈوپلے مراد ہے، ۱۲
[3] نواب والاجاہ بہادر مراد ہیں۔ ۱۲ [4] ڈوپلے مراد ہے، [5] جاگیردار ویلور،

مشار الیہ بودہ حسن خدمت و تردد را ذریعہ توجہ خاطر شناسند، زیادہ چہ نوشتہ شود"

شرح دستخط خاص:- تاکید اکید داند۔

نواب صلابت جنگ مرحوم کے مقابلہ میں حضرت آصف جاہ اول کے بڑے فرزند نواب غازی الدین خان فیروز جنگ مرحوم مسند پدری کے آرزومند ہوئے، پیشگاہ حضرت بادشاہ احمد شاہ سے خلعت صوبہ داری دکن عنایت ہوا، ملہار جی ہولکر اور جی آپا سندھیہ نے ساتھ دیا، برہان پور میں پہنچکر بعض انتظامات بھی انجام پائے، قرب و جوار کے قلعداروں وغیرہ نے حکم برداری اختیار کی، وہاں سے جانب اورنگ آباد توجہ عمل میں آئی، یہاں ذی قعدہ ۱۱۶۵ھ میں پیغام اجل آگیا، اس واقعہ کے بعد جو عنایت نامہ بہ مہر "آصف الدولہ ۱۱۶۵" جاری ہوا وہ یہ ہے:-

"سانحہ ناگزیر نواب صاحب و قبلہ فیروز جنگ مرحوم باعث ملال خاطر شد کہ بزرگ بودند و ذات ایشان را از مغتنمات می دانستم الحال برائے تنبیہ و تادیب فرقہ واجب التفرقہ زیادہ . . . . . . آمدہ پس منزل بہ منزل توجہ عساکر فتح رہبر در پیش است بخاطر جمع بہ رفاقت انور الدین خان بہادر[1] سرگرم شیوۂ زمینداری و مالگذاری بودہ رہ نورد اطاعت و انقیاد باشند و این معنی را ذریعہ سود و بہبود حال و مآل شناسند زیادہ چہ نوشتہ شود"

(۶)

صاحب توزک آصفیہ کا بیان ہے کہ نواب غازی الدین فیروز جنگ مرحوم کے انتقال کے بعد نواب صلابت جنگ مرحوم کے نام پیشگاہ بادشاہی سے فرمان استقلال شرف صدور لایا، اور خطاب "آصف الدولہ" مرحمت ہوا[2]، اس ضمن میں جو عنایت نامہ بہ مہر "آصف الدولہ ۱۱۶۵" صادر ہوا وہ یوں ہے:-

"درین ایام فیروزی انجام شقہ موشح بخط قدسی نمط متضمن مشکور گردیدن مساعی و ترددات تنبیہ و تادیب بالاجی در پیشگاہ خلافت و جہانبانی و ظہور عنایات و تفضلات بے پایان

[1] غالباً نواب والاجاہ بہادر مراد ہیں، [2] ص ۴۴،

بشگفتگی گلشن همیشه بهار خاطر ملکوت ناظر اقدس اعلیٰ برشحات این لطیفه روح افزا عنایت خطاب مستطاب "آصف الدوله" و خلعت ملبوس خاص مع سرپیچ مرصع بورود مسعود مرحمت آمود سرمایه فخر و مباهات مبانی و آمال را استحکام تمام بخشید، مراتب مرقومه از نقل آن که فرستاده شد معلوم خواهد شد باید بر جادهٔ صدق اعتقاد و برسوخ عقیدت مستقیم بوده نویسان حالات و رو داد باشند و بادای نذرهای برکات ذمه خود پرداز ندازین معنی ذریعه سود و بهبود خود شناسند زیاده چه نوشته شود"

اس عنایت نامہ سے واضح ہے کہ خطاب آصف الدولہ نواب غازی الدین خان فیروز جنگ مرحوم کے انتقال سے قبل مرحمت ہوا، چنانچہ نواب حسین دوست خان کے قتل کے بعد جو عنایت نامے نافذ فرمائے گئے اسپر "آصف الدولہ" کی مہر چسپان ہے، نواب حسین دوست خان کا واقعہ نواب غازی الدین خان فیروز جنگ کے انتقال سے قبل واقع ہوا ہے، بالاجی راؤ پر فتحیابی سے متعلقہ جو عنایت نامہ اس سے قبل نمبر ۲ پر نقل کیا گیا ہے، اس پر "صلابت جنگ بہادر" کی مہر چسپان ہے، اس کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے کہ خطاب "آصف الدولہ" عنایت ہوا، بہر حال توزک آصفیہ کا یہ بیان درست نہین کہ خطاب "آصف الدولہ" بھی نواب غازی الدین خان فیروز جنگ کے انتقال کے بعد مرحمت ہوا،

(۷)

پیشگاہ بادشاہی سے کوئی اور فرمان عنایت ہوا، اس کے متعلق ذیل کا عنایت نامہ بہ مہر "آصف الدولہ" ۱۱۶۵ھ نافذ ہوا :-

"درین ایام عشرت آغاز فیروز انجام فرمان والاشان موشح بخط خاص تقدس اختصاص مشحون بامضاف تفضلات انواع تفقدات پرتو ورود افگنده ساحت امانی و آمال را روشن ساخت دقائق عواطف روز افزون روح افزاے والا از روے نقل آن که بجهت مزید سرور و ابتهاج خاطران شهامت دستگاه سمت ترسیل پذیرفته واضح ولایح خواهد گردید زیاده چه نوشته شود"،

تلخیص و تبصرہ

اسلام کے قرون وسطیٰ مین ساہوکاری کی ابتدا

عنوان بالا سے مضامین کا ایک سلسلہ جنرل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی، لندن مین شروع ہوا ہے، جس کی پہلی قسط کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین ہے :-

گذشتہ تیس چالیس سال کے اندر دسوین صدی عیسوی کی سلطنت عباسیہ سے متعلق چند ایسے ماخذ شائع ہو گئے ہین مثلاً تاریخ الوزراء ہلال الصابی، کتاب تجارب الامم مسکویہ اور نشوار المحاضرہ التنوخی جو اس عہد کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی حالات کے لیے حقیقۃً ایک خزینۂ معلومات ہین، ان تصانیف نے ہمارے سامنے بالکل ایک نئی دنیا کھول کر رکھ دی ہے، ان کتابون کے مصنف چونکہ خود حکومت کے اعلیٰ عہدہ دار تھے اسلئے انھون نے خاص طور پر معاشی حالات اور ملکی نظم و نسق کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور مالیات، نظام مالگذاری، انتظام زمینداری، عملۂ حکومت اور وزراء کے حالات نہایت وضاحت سے پیش کئے ہین، ان ماخذون مین مختلف ادارون، محکمون، اور دفترون کے نامون کی ایک طویل فہرست ہے، لیکن ہم کو فوراً ہی یہ نہین معلوم ہو جاتا کہ کیونکر وہ تمام ادارے کام کرتے تھے یا یہ کہ حکومت کی اس مشین کی ہر کڑی سے متعلق کونسا نظام اس پیچ در پیچ نظام حکومت کو سمجھنے کے لیے صرف ایک طریقہ ممکن ہے، یعنی اصطلاحات سے ابتدا کیجائے اور علیحدہ علیحدہ ہر اصطلاح کے معنی متعین کئے جائین، یہی طریقہ بیت المال الخاصہ اور بیت المال العامہ کے معنی کی تعیین مین استعمال کیا گیا ہے اور اسی طریقہ سے مسلمانون کے مالی نظام کی تحقیق کی کوشش کی جائیگی؛

نیز لفظ جہبذ کے سلسلہ مین یہود کی تاریخ کے ایک پہلو پر روشنی ڈالیجائیگی، ان کتابون مین معاشی اور مالی نظام کے بیان مین یہود کا ذکر بھی اکثر آیا ہے جو حکومت کے اعلیٰ عہدون پر مامور تھے اور جنکو سلطنت سے کچھ ایسا گہرا تعلق تھا کہ ایک مسلمان مورخ کے لیے ان کا ذکر کرنا ناگزیر تھا۔

ہم جہبذ کے لفظ سے اپنی تحقیق کی ابتدا کرتے ہین، ایک عرب لغت نویس اس کے معنی یہ بتاتا ہے "ایک ماہر مالیات جو پیچیدہ ترین معاملات مین تجربہ رکھتا ہو اور روپیہ کے کاروبار مین پوری طرح ماہر ہو"

جہبذ کا ذکر خلیفہ المنصور (۷۵۴ء تا ۷۷۵ء) کے زمانہ کے عرب ماخذون مین بھی آیا ہے لیکن جو لوگ خاص طور پر اس لقب سے ممتاز تھے وہ دسوین صدی عیسوی مین زیادہ نمایان ہوئے اسکا سبب غالباً یہ ہے کہ اس صدی مین تجارت کو بہت فروغ حاصل ہوا، نوین صدی کے آخر مین سلطنت عباسیہ کے مالی نظام مین ایک تبدیلی واقع ہوئی، اسکا سبب جیسا کہ دان کریمر پہلے بیان کر چکا ہے، یہ ہوا کہ درہم نقرئی کے بجائے اب دینار طلائی معیاری سکہ قرار پایا، یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ آٹھوین اور نوین صدی کے فرد محصول مین مغربی صوبون کی آمدنی دینار مین ظاہر کیگئی ہے اور مشرقی صوبون کی درہم مین، برخلاف اس کے دسوین صدی مین بجٹ کی تمام مدون کا حساب دینار مین دکھایا گیا ہے،

ان جدید حالات اور رائج الوقت سکون کے اختلاف اور انکی قیمتون کے اتار چڑھاؤ نے اس امر کی ضرورت پیدا کی کہ جو سکے بیت المال عامہ مین داخل ہون وہ معیاری سکون مین تبدیل کر کے داخل کئے جائین یہی کام جہبذ کو سپرد ہوا اور اسی وجہ سے جہبذ کا عہدہ ایک ضروری عہدہ قرار پایا، اس عہدہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان ماخذون مین مال الجہبذ کا ذکر اکثر آیا ہے، نیز ایک مخصوص دیوان الجہبذ کے قیام کا تقرر بھی بیان ہے اور ان لوگون کا نام بار بار آیا ہے جو جہبذ کے لقب سے پکارے جاتے تھے، مال الجہبذ ایک قسم کا محصول ہے جو اس زمانہ کے مالیات مین کافی اہمیت رکھتا تھا، سنہ ۹۱۸-۱۹ء کے بجٹ مین یہ ایک مخصوص مد کے طور پر رکھا گیا تھا، دیوان الجہبذ کے قیام کا ذکر اول اول ۹۲۰ء مین آتا ہے، اس دیوان کا افسر اعلیٰ اسوقت ایک

عیسائی ابراہیم بن ایوب تھا، قدامۃ بن جعفر کی کتاب الخراج مین دیوان الجہبذ کا تفصیلی بیان موجود ہے، لیکن جہبذ کے کام سے واقفیت کا ذریعہ مال الجہبذ کی اصطلاح کا رائج ہونا اور دیوان الجہبذ کا قائم ہونا ہی نہین ہے بلکہ ہمارے ماخذون مین بھی ان لوگون کے نام اور ان کے کامون کے صحیح حالات موجود ہین جو جہبذ کے لقب سے پکارے جاتے تھے مثلاً ان ماخذون مین حسب ذیل جہبذون کے نام دیئے ہوئے ہین: ابراہیم بن احمد بن ادریس ابراہیم بن یوحنا، ذکریا بن یوحنا، سہیل بن نذیر، اسرائیل بن صالح، نکولس بن اندونا وغیرہ وغیرہ،

خلیفہ المقتدر کے دربار مین جتنے جہبذ تھے ان مین سے کسی نے ان دو جہبذون کی سی اہمیت حاصل نہین کی جو الجہبذان الیہودیان کے لقب سے مشہور ہین اور جنکے نام یوسف بن فینحاس، اور ہارون بن عمران ہین، یہان عہد عباسیہ کے یہودی عہدہ دارون کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے، اس وقت اس سے بحث نہین کہ اسلامی حکومتون مین یہود اور دوسرے اہل ذمہ کو سرکاری عہدے کس حد تک دیئے جاتے تھے، عرب لٹریچر مین جو کچھ ادھر اُدھر ملتا ہے، اس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ اگرچہ اسلامی قانون اجانب مین غیر مسلمون کو حکومت کے عہدون پر مامور کرنے کی سختی سے ممانعت تھی تاہم اس ممانعت کی کبھی پوری پابندی نہین کیگئی اس امر کی صریح تاریخی شہادت موجود ہے کہ یہود و نصاریٰ اور دوسرے اہل ذمہ ہر زمانہ مین اسلامی حکومتون کے مختلف شعبون مین ملازم تھے، حقیقت یہ ہے کہ بعض شعبون کے لئے اہل ذمہ کی مخصوص لیاقت کو دیکھتے ہوئے خلفاء انھین اپنی ملازمتون مین داخل کرنے پر مجبور تھے، خلیفہ المقتدر کو بھی جس کے عہد حکومت سے ہمین اسوقت بحث ہے یہود و نصاریٰ کو حکومت کے بعض عہدون پر مقرر کرنا ہی پڑا، اسکے عہد سے قبل بھی سرکاری ملازمتون مین غیر مسلمون کی ایک تعداد ضرور رہی ہوگی کیونکہ اس نے اپنی حکومت کی ابتدا ہی مین اہل ذمہ کے مسئلہ ملازمت سے متعلق ایک قانون نافذ کیا اور ۹۰۸ء مین ایک فرمان کے ذریعہ سے یہود اور نصاریٰ کو صرف طبیب اور جہبذ کے عہدون پر مقرر کئے جانے کی اجازت دی، عرب جغرافیہ دان مقدسی مصر و شام کے حالات کے سلسلہ مین لکھتا ہے:-

یہاں اکثر جاہذہ، رنگساز، صیارفہ اور دباغ یہودی ہین، اکثر اطبا اور کتبہ (مہر) عیسائی ہین؟

دسوین صدی مین سلطنت عباسیہ کے یہود کے پیشون سے متعلق ہماری واقفیت کا ذریعہ ابتک مقدسی کی یہ شہادت اور المقتدر کا فرمان ہی تھا، لیکن ہمارے جدید ماخذ نہ صرف ان بیانات کی تصدیق کرتے ہین بلکہ ان مین بہت کچھ اضافہ بھی کرتے ہین، خصوصًا ان ماخذون سے یوسف بن فنیحاس اور ہارون ابن عمران کے حالات اور خلیفہ مقتدر کے دربار مین ان کے کارنامے تفصیل کیساتھ معلوم ہوتے ہین،

ان ماخذون مین ان دونون کا ذکر بار بار الجہبذان الیہودیان یا التجار کے نام سے آتا ہے اور ان مین سے ہر ایک کا ذکر جہبذ اہواز کے نام سے بھی آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق صوبہ اہواز کی مالیات سے بھی تھا، ان القاب ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سلطنت عباسیہ کے محکمۂ مالیات مین کس درجہ اہمیت رکھتے تھے' ان کا ایک لقب جاہذۃ الحضرۃ (COURTBAN-KERS) بھی تھا جس سے انکی اعلیٰ حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے، دونون کا ذکر ہمیشہ ساتھ ساتھ آتا ہے، سلطنت کے اعلیٰ عہدہ داران کو ایک ہی فرد خیال کرتے تھے، وزیر سلطنت جب ان سے قرض لیتا تھا تو معاہدہ یوسف اور ہارون دونون کیساتھ بلکہ ان کے جانشینون (ومن قام مقامہما) کے ساتھ بھی ہوتا تھا، اسی طرح اگر وزیر انھین سزا کی دھمکی دیتا تو اس دھمکی مین دونون بلکہ ان کے ورثاء (وعلی ورثتکما) بھی شریک ہوتے،

ان بیانات سے کافی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ دونون نے ایک مشترک فرم قائم کر لی تھی، اس فرم مین یوسف اور ہارون کے علاوہ ممکن ہے اور لوگ بھی شریک رہے ہون، ہارون بن عمران کا ایک لڑکا اپنے باپ کیساتھ درباری جہبذ کے فرائض انجام دیتا تھا، اس مشترک فرم کے قیام کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ کے کثیر مطالبات کا پورا کرنا کسی ایک شخص کے اختیار سے باہر تھا، بہرحال جو سبب بھی رہا ہو یہ واقعہ ہے کہ خلیفہ مقتدر کے زمانہ مین ایک بنک قائم ہو گیا تھا جسے آجکل کی اصطلاح مین یوسف ہارون، اینڈ کمپنی، ہیڈ آفس بغداد کہہ سکتے ہین،

اس بنک کی اندرونی تنظیم آیندہ بیان کیجائیگی، اسوقت صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ یہودی ساہوکار کس زمانہ مین دربار خلافت سے تعلق رکھتے تھے، التنوخی کہتا ہے: "دونون (یوسف اور ہارون) عبید اللہ بن یحییٰ الخاقانی کے زمانہ مین مقرر ہوئے تھے" لیکن یہ بیان عرب ماخذون مین دئے ہوئے دوسرے واقعات اور تاریخون سے اسی وقت مطابق ہو سکتا ہے جب ہم عبید اللہ بن یحییٰ کے بجائے محمد بن عبید اللہ بن یحییٰ پڑھین، عبید اللہ ابن یحییٰ سنہ ۸۵۲ء سے سنہ ۸۶۱ء تک خلیفہ المتوکل کا اور سنہ ۸۷۶ء سے سنہ ۸۸۵ء تک خلیفہ معتمد کا وزیر تھا، لیکن اہل ذمہ کو سرکاری ملازمتون مین داخل کرنے کی نسبت ان دونون خلفاء کا جو طرز عمل تھا اس کے لحاظ سے امید نہین کہ ان کے زمانون مین یہود اعلیٰ عہدون پر مقرر کئے گئے ہون، علاوہ برین خود ماخذون مین اس بیان کی تائید کے لیے کوئی شہادت موجود نہین ہے، برخلاف اسکے محمد بن عبید اللہ ابن یحییٰ المقتدر کے وزراء مین تھا اور وہ ٹھیک اسی زمانہ مین تھا جب ہم کو اول اول ان یہودیون کے حالات معلوم ہوتے ہین، گمان غالب یہ ہے کہ دربار مین ان دونون یہودیون کا تقرر اس وقت ہوا جب محمد بن عبید اللہ کی وزارت شروع ہو چکی تھی یعنی سنہ ۹۱۱ء اور سنہ ۹۱۲ء کے درمیان، واقعات بھی اس خیال کے مطابق ہین کیونکہ ان یہودیون سے پہلا معاملہ جو ہمارے ماخذون مین مذکور ہے سنہ ۹۰۸ء مین وزیر ابن الفرات کے ساتھ ہوا تھا اسکے بعد بھی اور خصوصًا سنہ ۹۱۳ء، سنہ ۹۲۱ء، سنہ ۹۲۳ء، اور سنہ ۹۲۴ء کے حالات مین ان کا ذکر بار بار آتا ہے،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تقرر کے بعد سے سنہ ۹۲۳ء تک یوسف اور ہارون کا تعلق دربار خلافت سے برابر قائم رہا، سنہ ۹۲۳ء کے بعد اس فرم کا کوئی ذکر ہمارے ماخذون مین نہین پایا جاتا جس کی وجہ یہ ہے کہ وزیر ابن الفرات جو ان کا مربی اور سرپرست تھا، سنہ ۹۲۴ء مین برطرف کر دیا گیا تھا، اگرچہ صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ وہ دونون اپنی وفات تک برخاست نہین کئے گئے، لیکن یہ ممکن ہے کہ ان کی وفات بھی سنہ ۹۲۳ء ہی مین واقع ہوئی ہو، بہرحال ہر صورت مین المقتدر ہی کا زمانہ سلطنت عباسیہ مین ساہوکاری کی ابتدا کا زمانہ تھا،

"ع ز"

خلفائے عباسیہ کے چند آثار عراق مین،

خلفائے عباسیہ کے تمام تمدنی آثار جو ان کے دورِ حکومت مین، محلون، مسجدون، خانقاہون، مدرسون، شفاخانون اور نہرون کی صورت مین قائم تھے مٹ گئے، البتہ عراق مین ان کے چند آثار اب بھی باقی ہین، جنکا تذکرہ جون سنہ ۱۹۳۲ء کے الہلال نے کیا ہے، ہم ناظرینِ معارف کی دلچسپی کے لیے اسکی تلخیص ذیل مین درج کرتے ہین،

جامع معتصم باللہ معتصم نے یہ جامع مسجد سُرّمَن رائے مین پانچ لاکھ دینار کے صرف سے تعمیر کی تھی اور اسکی دیوارون کے سامنے کے حصے مین شیشے جڑ دادیئے تھے، اس لئے ہر نمازی حالتِ نماز مین اپنے پیچھے سے آنے والے شخص کو دیکھ سکتا تھا، شیشون کے جڑنے کی جگہ اب بھی دیوارون مین موجود ہے، اور وہ دیکھنے والون کو علانیہ نظر آتی ہے، اسکا منارہ بھی ایک عجیب چیز ہے، اور عراق مین اسکو ملویہ کہتے ہین،

قصر ابی العباس احمد الناصر لدین اللہ اس محل کا نام دار المسناۃ ہے، اور وہ بغداد کی مشرقی چار دیواری کے قریب شمالی جانب قائم کیا گیا تھا اور ابن جبیر نے اسکو دیکھا تھا، ناصر لدین اللہ نے اس مین ایک کتبخانہ بھی قائم کیا تھا، جسکا ذکر قفطی نے بشر بن احمد بغدادی کے حال مین کیا ہے، اب اس کے چند حجرے اور ایوان باقی رہگئے ہین، لیکن انھی سے اسکی تعمیری شان و شوکت کا اندازہ ہوسکتا ہے،

منارہ جامع مکتفی باللہ یہ منارہ خود بنو عباس کے آثار مین شامل نہین ہے، البتہ ان کے دورِ خلافت کے ختم ہونے کے ۲۲ سال بعد انھی کی جامع مسجد مین بنایا گیا ہے، اور اس پر خطِ کوفی مین یہ عبارت لکھی ہوئی ہے،

"اباقاخان مین ہلاکو خان کے عہدِ حکومت مین علاء الدین عطا ملک الجوینی الفارسی کی ولایت مین تعمیر کیا گیا"

سنہ [illegible]ھ مین اسکی تعمیر آٹھ سال کی مدت مین ختم ہوئی،

معروف کرخی کی قبر کا منارہ یہ منارہ فنِ تعمیر کا عجیب و غریب نمونہ ہے، اور اسکو ابو العباس الناصر لدین اللہ نے تعمیر کرایا

ہے، چنانچہ اس کے ایک چھوٹے سے طاق مین یہ عبارت منقوش ہے،

"یہ منارہ سنہ ۶۱۲ھ مین تعمیر کیا گیا"

اور یہی ناصر لدین اللہ کی حکومت کا زمانہ ہے، کیونکہ وہ سنہ ۵۷۵ھ مین خلیفہ ہوا اور سنہ ۶۲۲ھ مین وفات پائی، علی بن اثیر نے لکھا ہے کہ "ناصر کے ولیعہد نے سنہ ۶۱۲ھ مین وفات پائی، اور معروف کرخی کی قبر کے پاس دفن کیا گیا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولیعہد کی وفات اور اس منارے کی تعمیر کا زمانہ ایک ہی ہے، اور غالباً اس منارے کی تعمیر کا سبب بھی یہی ہے،

مسجد خطائر کا منارہ یہ منارہ بھی معروف کرخی کی قبر کے منارہ سے مشابہت رکھتا ہے، یہ مسجد اب جامع الخفافین کے نام سے مشہور ہے، اور دجلہ کے کنارے مدرسہ مستنصریہ کے نیچے واقع ہے، اس مسجد کو ناصر کی ماں زمرد خاتون نے بنوایا تھا اس لیے منارہ بھی اسی کا بنوایا ہوا ہے،

مدرسہ مستنصریہ اور اسکی گھڑی یہ مدرسہ اب بالکل ویران ہے، صرف اسکی دیوارین دجلہ کے کنارے کھڑی ہین، اس کے دروازے پر ایک منقوش تحریر تھی، لیکن اب وہ موجود نہین، ایک دیوار پر البتہ ایک تحریر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ کی عمارت سنہ ۶۳۱ھ مین تکمیل کو پہنچی،

اس مدرسہ کی آبی گھڑی اس کے سامنے کے ہال مین تھی جو سنہ ۶۳۳ھ مین تعمیر ہوا، اور اس کے نیچے ایک سائبان تھا، جس مین طبیب بیٹھکر طلبہ کو درس دیتا تھا اور مریضون کا علاج کرتا تھا، اسی سائبان کی دیوار مین ایک دائرہ بنایا گیا تھا جسمین آسمان کی شکل بنائی گئی تھی، اور اس مین چھوٹے چھوٹے طاق تھے، جس مین چھوٹے چھوٹے دروازے بنائے گئے تھے، اس دائرے مین سونے کے دو باز سونے کی دو طشتون مین کھڑے کیے گئے تھے، اور اس کے پیچھے سیسے کے دو گولے تھے جو دیکھنے والے کو نظر نہین آتے تھے، ہر گھڑی کے گذرنے کے بعد دونون بازون کے منھ کھل جاتے تھے اور ان سے وہ دونون گولے گر پڑتے تھے، اور جب ایک گولہ گرتا تھا تو ان طاقون کا ایک دروازہ کھل جاتا تھا، اور جب دونون گولے دونون طشتون مین گر چکتے تھے تو اپنی اپنی

جگہ پر چلے جاتے تھے، اس کے بعد سورج کے نکلنے کے ساتھ اس مصنوعی آسمان مین سونے کے بہت سے سورج نکل آتے تھے اور حقیقی سورج کی گردش کے ساتھ گردش کرتے تھے اور اس کے ڈوبنے کے ساتھ ڈوب جاتے تھے، پھر جب رات ہوتی تھی تو اس روشنی سے جو سورج کے پیچھے ہوتی تھی، بہت سے چاند نکل آتے تھے اور جب ایک گھڑی پوری ہو جاتی تھی تو چاند کے دائرے مین وہ روشنی بھی پوری ہو جاتی تھی پھر رات کے ختم ہونے اور سورج کے نکلنے کے وقت تک دوسرے دائرے مین شروع ہوتی تھی،

"ع"

مقدمۂ رقعات عالمگیر

اس مین رقعات پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلت کی تاریخ ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہین، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اور اسکی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط و رقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کیگئی ہے، ضخامت ۴۰۸ صفحے، قیمت صہ "منیجر"

اخبار علمیہ

شیشے کی سڑک

لندن کے ایک نوجوان شخص نے چھ سال کی مسلسل کوشش اور متواتر ناکامیون کے بعد بالآخر ایسا شیشہ تیار کر لینے مین کامیابی حاصل کر لی ہے جس سے آیندہ سڑکین بنائی جا سکین گی، اس نوجوان کا نام جارج ریکٹس (GEORGE J. RICKETTS) ہے، موجودہ پتھر کی سڑکون مین جو خرابیان ہین ان کو پیش نظر رکھ کر ریکٹس ایسی سڑک بنانا چاہتا ہے جو ان سڑکون سے زیادہ مضبوط اور آرام دہ ہو، چنانچہ اس کے لیے اس نے شیشہ کی چھوٹی چھوٹی سلین تیار کی ہین، یہ سلین پانچ انچ مربع ہین اور ان کی دبازت ڈیڑھ انچ ہے، ان کی تہ کا حصہ بقدر (½) انچ مجوف ہے، ان کی سطح دندانہ دار ہے جس کی وجہ سے پھسلنے کا خطرہ باقی نہین رہتا، بعض لوگون کا خیال ہے کہ یہ سلین سڑک کی تعمیر کے لیے کافی مضبوط نہ ہونگی، لیکن ان کی مضبوطی کا امتحان کیا جا چکا ہے، ساڑھے تین سیر وزن کے ہتھوڑے سے ان کو توڑنے کی کوشش کیگئی، لیکن ان پر کوئی اثر نہین ہوا، موسم گرما کی شدت مین ان سلون کے پگھلنے کے متعلق بھی خطرہ ظاہر کیا گیا ہے، لیکن سب سے زیادہ نرم قسم کے شیشہ کا نقطہ گداخت بھی (۱۶۰۰) درجہ فارن ہائٹ ہوتا ہے اور انگلستان کی گرمی عموماً (۹۵) اور (۱۰۰) درجہ کے درمیان ہوتی ہے، آجکل سڑکین موٹرون کے تیل گرنے سے بھی بہت خراب ہوتی رہتی ہین، لیکن تجربہ کر کے دیکھ لیا گیا ہے کہ ان شیشون پر تیل کا بھی کوئی اثر نہین ہوتا، سلون کی سطح ہیرے کی شکل کی بنائی گئی ہے، اور جب یہ ایک دوسرے سے ملا کر بچھا دی جاتی ہین تو سڑک کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک متوازی خطوط قائم ہو جاتے ہین جنسے ہو کر کیچڑ اور پانی فوراً موریون مین پہنچ جاتا ہے، جن شیشون سے یہ سلین تیار کی گئی ہین وہ بالکل معمولی شیشے ہین جو بیکار سمجھ کر پھینک دیے جاتے

ہین، مثلاً شراب کی پرانی بوتلین، امربون کے مرتبان اور دریچون کے پرانے شیشہ کے ٹکڑے، لیکن موجد نے ان سب کو اپنے طریقہ پر گلا کر اسقدر پائدار اور کارآمد بنالیا ہے،

پڑھنے والا آلہ،

برلن کے ایک شخص نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے کہ اگر اس مین ایک اخبار رکھدیا جائے تو وہ اسکو نہایت بلند آواز سے پڑھ سکتا ہے، اسلئے اس ایجاد سے اخار بینی اور مطالعہ مین آنکھون پر مطلق زور نہین پڑتا، بلکہ ایک انسان چپ چاپ لیٹے لیٹے اس آلہ کی زبان سے اخبار و واقعات کو سُن سکتا ہے،

لکڑی کے آلے

اب تک یہ خیال کیا جاتا تھا کہ انسان عصر حجری مین صرف پتھر کے آلے استعمال کرتا تھا، لیکن علم الآثار کے ایک فرنچ عالم نے یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ اس زمانے مین انسان لکڑی کے آلے بھی استعمال کرتا تھا یعنی پہلے وہ لکڑی کے ہتھوڑے سے پتھر توڑتا تھا پھر اس کو تیز کر کے اُس سے لکڑی کاٹتا تھا اور اس لکڑی سے ضروری آلات تیار کرتا تھا،

رنگ کے اندھے

تین فیصدی آدمی ایسے ہین جو مختلف رنگون کو دیکھکر ان مین تمیز نہین کرسکتے، طبی اصطلاح مین یہ لوگ رنگ کے اندھے کہے جاتے ہین، لیکن حال مین اطبا، نے ایسے اشخاص کا پتہ چلایا ہے، جنکو ایک رنگ کے سوا دوسرا رنگ نظر نہین آتا، چنانچہ دنٗس آدمی اس مرض مین مبتلا پائے گئے کہ ان کو خاکستری رنگ کے سوا کوئی رنگ نظر نہین آتا تھا،

مارفیا کا قائم مقام،

مارفیا کا خاصہ یہ ہے کہ وہ اعصاب کو سُن کردیتی ہے، جس سے انسان کو نیند آجاتی ہے، لیکن اس میں عیب یہ ہے کہ انسان اسکا عادی ہوجاتا ہے، لیکن حال مین ایک ڈاکٹر نے ایک ایسی جڑی دریافت کی ہے

جو اعصاب کے سن کرنے مین تو مارفیا ہی کی خاصیت رکھتی ہے، لیکن انسان اسکا عادی نہین ہوتا،

نباتات کا طریقۂ علاج

نباتات کو جو روگ لگ جاتے ہین، اُن کے علاج سے اطبار عاجز تھے، سرِ دست انھون نے علاج کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ برقی رو سے ان جراثیم کو فنا کردیتے ہین جو نباتات مین بیماریان پیدا کرتے ہین اگر یہ طریقہ علاج کامیاب ہوجائے تو نباتاتی امراض کا خاتمہ ہوسکتا ہے، لیکن اطبار کو یہ خوف ہے کہ برقی لہرین کہین ان جراثیم کو بھی فنا نہ کردین جو نباتات کی زندگی اور نشوونما کا ذریعہ ہین،

رنگ کا اثر صحت پر

صحت پر رنگون کا خاص اثر پڑتا ہے، چنانچہ امریکہ مین بہت سے شفاخانے قائم ہین، جو صرف ان امراض کا علاج کرتے ہین جو رنگون سے پیدا ہوتے ہین، دماغی امراض کے اطبا، خصوصی کا خیال ہے کہ جو بچے سفید رنگ کے دیکھنے کے عادی ہوتے ہین ان کے جسم و دماغ ان بچون سے زیادہ صحیح ہوتے ہین جو سیاہ اور میلے رنگون کے دیکھنے کے خوگر ہوتے ہین، ان اطباء کا خیال ہے کہ اکثر مجنون وہی لوگ ہوتے ہین جو بچپن مین سیاہ رنگ دیکھنے کے عادی تھے،

عالمگیر گھڑی

سوئٹزرلینڈ کے ایک انجنیر نے ایک بڑی گھڑی بنائی ہے جو درحقیقت تیرہ گھڑیون کا مجموعہ ہے اور اس سے دنیا کے مختلف تیرہ صوبون کے اوقات معلوم ہوسکتے ہین،

چور پکڑنے والا آلہ

ایک فرانسیسی موجد نے ایک فوٹو گرافی کا ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جو خزانون یا زیورات اور جواہرات کے صندوقون مین ایک مخفی مقام پر رکھدیا جاتا ہے اور جو شخص خزانہ یا ان صندوقون کو کھولتا ہے، خود بخود ڈنکی تصویر کھینچ لیتا ہے، اس طریقہ سے جو لوگ چوری کرتے ہین، ان کی شناخت مین آسانی پیدا ہوگئی ہے،

ہوائی جہاز کی آواز مین کمی،

جو لوگ ہوائی جہازون مین سوار ہوتے ہین، وہ ان کی آواز سے سخت پریشان ہوتے ہین لیکن اب ایک جرمن انجینیر نے اس آواز کی شدت مین اسقدر کمی پیدا کردی ہے کہ کان اسکو برداشت کرسکتے ہین،

ہوا مین کتابت،

جب کوئی شخص کوئی فعل عبث کرتا ہے تو بطور تمسخر کے کہا جاتا ہے کہ وہ پانی یا ہوا پر لکھتا ہے، یعنی ایک ایسا کام کرتا ہے، جس کا کوئی نتیجہ نہین، لیکن اب ایک ایسا برقی چراغ ایجاد کیا گیا ہے، جس سے فضا کے بادلون پر حروف لکھے جاسکتے ہین، چنانچہ انگلستان مین ایک کمپنی قائم ہوئی ہے، جو اس سے فائدہ اٹھا کر فضا مین تجارتی اعلانات اور سیاسی خبرین شائع کرنا چاہتی ہے،

نظر نہ آنے والی روشنائی،

حال مین یہ معلوم ہوا ہے کہ جنگ عظیم کے زمانہ مین جرمن اسیران جنگ اپنے خطوط مین ایک ایسی روشنائی استعمال کرتے تھے جو نظر نہین آتی تھی، اور اس طریقہ سے وہ پہلے معمولی کاغذ پر جنگ کے متعلق راز کی باتین، اور جاسوسانہ خبرین لکھتے تھے، پھر اسی تحریر کے اوپر معمولی باتین لکھدیتے تھے، اور سنسر ان کو پڑھ کر خط بھیجنے کی اجازت دیدیتا تھا، لیکن جب وہ خطوط جرمنی مین پہنچتے تھے تو اہل جرمن ان کو بعض شعاعون کی روشنی مین پڑھتے تھے، اور وہ مخفی تحریرین کو نظر آجاتی تھی،

"ع"

ادبیات

یادِ دہی

از حکیم الشعراء امجدؔ، حیدرآبادی،

موزون نہین گر نغمہ تو فریاد سہی — کچھ بھول گیا ہون مین یہی یاد سہی

جب زینتِ دنیا سے، مرا گھر بھر جائے — جب حرص و ہوا کی مے سے، ساغر بھر جائے

احباب بھی ہون، لطف کا سامان بھی ہو — جب عطر بھی ہو، ڈلی بھی ہو، پان بھی ہو

دلچسپ فضا ہو، چاندنی رات بھی ہو — اک ماہ جبین کے ہاتھ مین ہات بھی ہو

جب ناچ بھی ہو، راگ بھی ہو، رنگ بھی ہو — روئی بھی ہو، چقماق بھی ہو، سنگ بھی ہو

جب اڑتے ہون قہقہے ہر اک تال کیساتھ — جب طبلے پہ پڑ رہے ہون قوال کے ہاتھ

جب ہر دل مردہ شادمان ہو جائے — جب گھر مرا، کشتِ زعفران ہو جائے

جب، مجھکو جہان کے خزانے مل جائین — سارے عالم کے کارخانے مل جائین

جب ہو یہ خیال، "خاک پر کون چلے" — ہو سونے کی اینٹ میرے پاؤن کے تلے

قدمون کا نشان نقشِ تسخیر بنے — لون خاک بھی ہاتھ مین تو اکسیر بنے

جب پھولون کی سیج پر مجھے نیند نہ آئے — جب میرا دماغ عرش اعلیٰ پہ جائے

کردے اس وقت، باخبر اے مولا — بس یاد دلادے اس قدر اے مولا

"بس اتنے ہی نشہ مین یہان چور ہے تو

اصلی ارام سے ابھی دور ہے تو"

۲

جب ٹوٹ پڑے پہاڑ غم کا سر پہ — باقی رہے جب نہ زور، زور و زر پہ
اس وقت، کہ رہنما ہی رہزن بنجائے — اس وقت، کہ خاص دوست دشمن بنجائے
تنکے کا غریق کو سہارا نہ ملے — ظلمت کدۂ دہر مین تارا نہ ملے
اعصاب، حصار کرب مین گھر جائین — اسوقت، کہ غم سے تپلیان پھر جائین

جب جل اٹھے غم سے تن کا ذرہ ذرہ

قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا

خونِ جگر

از حضرت جگر مراد آبادی،

یون بھی مجھے تو حاصل آرامِ جان نہین ہے — اب تو جو مہربان ہے، دل مہربان نہین ہے
جو داستان ہے اپنی افسانہ ہے کسی کا — شاید مرے دہن مین میری زبان نہین ہے
جو کچھ مین دیکھتا ہون، میری نظر سے دیکھو — عینِ مشاہدہ ہے، وہم و گمان نہین ہے
ہان اے جمالِ جانان اک اور بھی تجلی — دنیا مری نظر مین ابتک جوان نہین ہے
شاید تری نظر سے کچھ رازِ دل سمجھ لون — کہتے ہین عشق جسکو میری زبان نہین ہے
غم نے بنا دیا ہر ماتم گسار سب کا — اب کسکو پوچھتے ہو، کوئی یہان نہین ہے
ہر لحظہ کہہ رہا ہے یہ انقلابِ فطرت — یعنی جہان ابھی تھی، دنیا وہان نہین ہے
تیرے کرم کے صدقے کرنے ستم بھی شامل — دل شادمان ہے لیکن غم شادمان نہین ہے

بَابُ التَّقرِيظِ وَالْاِنْتِقاد

اردو کے نئے رسائل اور اخبار

اردو کے نئے رسالون اور اخبارون کے متعلق معارف کی یہ روش سالہا سال سے قائم ہے کہ وہ ہر چھ مہینے پر نئے رسالون اور اخبارون کو یکجا طور پر ناظرین سے روشناس کرتا ہے، اور ہر مرتبہ ان نئے پرچون کی تعداد اسقدر ہوتی ہے، کہ آٹھ دس صفحے انکی نذر ہوجاتے ہین، اور بہ ظاہر نظر یہ اردو زبان اور اردو صحافت کی ترقی کی ایک روشن دلیل ہے، لیکن افسوس ہے کہ ان پر حقیقی مسرت کا اظہار نہین کیا جاسکتا، کہ اولاً تو ان مین بیشتر تعداد ایسے پرچون کی ہوتی ہے جنکا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ وہ ادبی ہین، اور ادب کا مفہوم اس مین منحصر ہے کہ چند بے معنی اور لغو افسانے چھاپ دیئے جائین، چند سطرون مین "ادب لطیف" لکھ دیا جائے جو غیر مربوط خیالات، مغلق ترکیبون، اور بے ڈھنگے لفظون کا مجموعہ ہو، اور جنمین بے معنی اور غیر ضروری نقطے اور لمبی لکیرین دیدی گئی ہون اسی طرح چند غزلین اور نظمین چھاپ دیجائین، خواہ موزون ہون یا نہ ہون، تقطیع درست ہو یا نہ ہو، ظاہر ہے کہ ایسے رسالے اپنی زندگی کے کتنے دن پورے کرسکتے ہین، وہ جلد ہی فنا کے گھاٹ اتر جاتے ہین، اور پھر جو زندہ بچ رہے، وہ سسکیان لے لے کر اپنی زندگی کے دن پورے کرتے رہتے ہین، چند دن مضمون نگارون سے رسل و رسائل رکھ کر رسالہ جاری کئے رہے، بالآخر مضمون نگار بھی مضامین کہانتک بھیجین، نتیجہ یہ ہے کہ وہ اردو ہی کے پرانے رسالون کے مضامین نقل کرنے پر اتر آتے ہین، یہانتک کہ لوگ نہ صرف رسالون کے پرانے فائلون سے بلکہ مستقل مجلدات اور تصنیفات سے صفحے کے صفحے نقل کرکے اپنے نام سے بھیج دیتے ہین، سرقہ کے ان واردات کا یہ عالم ہے کہ اردو کے مشہور ارباب کمال کے مضامین بھی جنپر ہر لکھے پڑھے کی نگاہ بالعموم ہوتی ہے، دوسرے کے نامون سے چھپ رہے ہین۔ ہمارے بعض احباب نے رسائل کے ان واردات کا ایک نقشہ تیار کیا ہے، جو حد درجہ عبرت انگیز ہے

اردو صحافت کی یہ صورتِ حال، ہماری زبان کے دردمندون کے لیے لائقِ غور ہے، خصوصًا ہم ان علم دوست اور ادب نواز اصحاب سے جو کسی نئے رسالے کے نکالنے کے آرزومند ہون، یہ درخواست کرتے ہین کہ اس اقدام سے پہلے وہ خود اپنے دست و بازو کو تول لیا کرین کہ اس بوجھ کو کہان تک اٹھا سکتے ہین،

اس ششماہی مین بھی حسب معمول اسی تعداد مین پرچے نکلے ہین، لیکن اس مرتبہ یہ دیکھکر مسرت ہوئی کہ ان مین خالص "ادبی" پرچون کی تعداد بہت کم ہے، اکثر پرچے اپنا کوئی نہ کوئی مفید مقصد سامنے رکھکر نکلے ہین، اور جو ادبی پرچے ہین ان مین بعض ہندوستان کے ایسے دور دراز صوبون سے نکلے ہین، جنکا مقصد اردو کی واقعی خدمت ہے،

یہ سب نئے رسالے مختلف قسم کے مذہبی، اصلاحی، اقتصادی، تعلیمی، ادبی اور طبی ہین، جو بہ ترتیب درج ذیل ہین،

اصلاح لکھنؤ (ماہانہ) مرتبہ مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب، ندوی نگرامی، حجم ۴۰ صفحے، معارف سائز قیمت سالانہ ۱۲ روپیہ:- بادشاہ باغ، لکھنؤ،

"اصلاح" لکھنؤ کا وہی دینی و تبلیغی و اصلاحی رسالہ ہے، جس کا ذکر کسی گذشتہ مہینہ کے شذرات مین آچکا ہے، یہ گذشتہ مہینہ سے شائع ہونا شروع ہوگیا ہے، اسکی سرپرستی حضرت الاستاذ مولٰنا سید سلیمان صاحب ندوی اور مولٰنا عبد الماجد صاحب دریابادی اڈیٹر سچ نے قبول فرمائی ہے، پہلے نمبر مین مولٰنا عبد الماجد صاحب بی اے دریابادی نے "ارادۂ اصلاح" کے عنوان سے اس کا افتتاحیہ لکھا ہے، ان کے علاوہ مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین، مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب ندوی نگرامی، مرتب رسالہ، اور جناب محمد احسن صاحب نگرامی ایڈوکیٹ رائے بریلی کے مذہبی مضامین ہین، اس کا سب سے دلچسپ باب قبولِ اسلام کا ہے، جس مین ہر ماہ کے نئے اسلام قبول کرنے والون کی فہرست مع وجوہ قبول اسلام شائع ہوتی رہیگی، اس رسالہ کا اصل مقصد مسلمانون مین سعی اصلاح اور غیرون مین دعوتِ حق کا فرض انجام دینا ہے، امید ہے کہ دردمند مسلمان اس پرچہ کی خدمت اپنی حسبِ استعداد

حاشیہ صفحہ قبل، ۱؎ مولٰنا شبلی کا مقالہ "موبدان مجوس ہندوستان مین" الندوہ مین چھپا تھا، اور "رسائل شبلی" مین موجود ہے، وہ لاہور کے رسالہ "یادگار" بابت ماہ اپریل ۱۹۳۳ء مین جناب احسان میان آفتاب احمدی کے نام سے شائع ہوا ہے، رسالہ یادگار اسی سال جنوری سے نکلا ہے اور رسائل کے پچھلے تبصرے مین ان صفحات مین اس کا ذکر آیا تھا،

سمجھکر اس کو اپنے پاؤن پر کھڑے ہونے کا موقع دینگے،

ترجمان القرآن، حیدرآباد، دکن، (ماہانہ) اڈیٹر مولٰنا سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی، ۶۴ صفحے، لکھائی چھپائی، کاغذ اور تقطیع معارف جیسی، قیمت سالانہ ۵ روپیہ:- دفتر ترجمان القرآن حیدرآباد دکن،

حیدرآباد، دکن مین مولوی ابو محمد صاحب مصلح بھسرامی، کی کوششون سے ایک انجمن "تحریک قرآن" قائم ہوئی ہے، جس کا مقصد تعلیماتِ قرآنی کو عام کرنا ہے، اس انجمن نے چند ماہ گذرے ایک ماہانہ رسالہ ترجمان القرآن جاری کیا تھا، جس کی حیثیت محض مختصر تبلیغی رسالہ کی تھی، اب وہی رسالہ دو مہینون سے نئے آب و تاب اور ظاہری و معنوی ترقی کیساتھ مولٰنا سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی، مصنف الجہاد فی الاسلام کی ادارت مین نکلنے لگا ہے، اس کا مطمحِ نظر تعلیماتِ قرآنی کو احادیث و آثار کی روشنی مین رکھکر، دور حاضر کے اسلوب بیان مین پیش کرنا ہے، دور حاضر مین ہندوستان کے مختلف گوشون سے "حسبنا کتاب اللہ" کی صدائین بلند ہو رہی ہین، اور حاملِ وحیؐ کے اقوال و آثار اور اسکی تشریح و تفصیل کے پروانون کے بیانات اس لئے رد کئے جا رہے ہین کہ "مفکرین" کے غور و فکر اور عقل کی میزان پر وہ پورے نہین اترتے، حالانکہ وہی اربابِ فکر اپنے دنیاوی معاملات مین تعزیرات کی دفعات کے سمجھنے مین اسکی شرحون سے کام لیتے ہین اور تعینِ مفہوم مین عدالت عالیہ کے فیصلون سے نظیر لاتے ہین،

اس بے راہروی کو روکنے کے لیے ایک مستقل ترجمان کی ضرورت تھی، مسرت ہے کہ رسالہ ترجمان القرآن اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے عالمِ وجود مین آیا ہے، اسوقت تک اس رسالہ کے دو نمبر چھپ چکے ہین، جو اپنے مضامین کی نوعیت، لب و لہجہ کی متانت، مباحث کی دقت، اور رائے کی اصابت مین اسی صراط مستقیم پر گامزن ہے، جسے اِنَّ ہٰذا صراطی مستقیما فاتبعوہ، کہا گیا ہے، رسالہ کے مرتب نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ تعلیمات قرآنی یا دوسرے نقطون مین عقائد اسلامی کے متعلق جو شکوک و شبہات پیش کیے جائین گے، ان کے جوابات بھی درج ہونگے،

نشیمن:- مدراس (ماہانہ) اڈیٹر مولٰنا ابو الجلال ندوی، و مولٰنا عبد الرزاق (فاضل دیوبند)

حجم ۴۸ صفحے، قیمت سالانہ ۳ر، مقام اشاعت نمبر ۱۳ کتابت خان اسٹریٹ، ماؤنٹ روڈ، مدراس،

بشریٰ، صوبہ مدراس کا واحد ماہانہ اردو رسالہ ہے، جو ماہ جنوری ۳۳ء سے نکلنا شروع ہوا ہے، کارکنان رسالہ کے پیش نظر مدراس میں اسلام کی خدمت ہے، مضامین مذہبی، تاریخی اور علمی ہر قسم کے مفید اور دلچسپ ہوتے ہیں، [illegible] کی ترجمانی بھی ہوتی ہے، مذہبی مضامین غور و فکر اور تلاش و تحقیق سے لکھے جاتے ہیں، تاریخی مضامین کا معیار بھی [illegible] نہیں، مذہبی و معاشرتی اصلاح کا ذریعہ افسانوں کو بھی بنایا ہے، خدا کرے کہ کارکنانِ رسالہ اسے ثبات قدمی سے جاری رکھ کر مدراس میں مذہب، معاشرت اور زبان کی مفید خدمات انجام دیتے رہیں،

محدث، دہلی (ماہانہ) مدیر مولوی عبدالحلیم صاحب ناظم، حجم ۱۶ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی،

پتہ:- دارالحدیث، رحمانیہ، دہلی،

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے کارکنوں نے یہ مختصر رسالہ محض افادۂ علم کے لیے جاری کیا ہے، جس میں چھوٹے چھوٹے مذہبی، اصلاحی، اور تبلیغی مضامین درج ہوتے ہیں، نیز مدرسہ کے کوائف بھی شائع ہوتے ہیں، کارکنوں نے رسالہ کی کوئی قیمت مقرر نہیں کی ہے، صرف ۱ر کے ٹکٹ ڈاک کے محصول کیلئے بھیجکر سال بھر تک رسالہ جاری کرایا جاسکتا ہے،

مالیات: پٹنہ (ماہانہ) اڈیٹر جناب سید حفظ الرحمن صاحب، حجم ۴۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ

قیمت سالانہ ۲ر، دفتر اشاعت دی پریمیر جنرل انشیورنس کمپنی لمیٹڈ، پٹنہ،

صوبہ بہار میں چند نوجوان ہمت اصحاب کی کوششوں سے ایک بیمہ کمپنی "دی پریمیر جنرل انشیورنس کمپنی لمیٹڈ پٹنہ" کے نام سے قائم ہوئی ہے، رسالہ مالیات اسی کمپنی کا آرگن ہے، صوبہ بہار کے مخلص رہنما جناب قاضی احمد حسین صاحب سابق ام ال سی، رسالہ کے سرپرست اور اس کمپنی کے جنرل منیجر جناب سید محمد جلیل صاحب رسالہ کی پالیسی کے نگران ہیں، رسالہ کا دائرۂ عمل "بینکنگ، تجارت اور بیمہ" کے مباحث ہیں، اسکا پہلا پرچہ بابت ماہ اپریل ۳۳ء نظر سے گذرا، مضامین کی ترتیب اچھی ہے، اولاً "خیالات" کے عنوان سے مالی اور تجارتی مسائل پر نقد و نظر ہے، پھر بینک، بیمہ، تجارت، مالیات، اور بعض تجارتی کمپنیوں، بنکوں اور بیمہ کمپنیوں کے طریق کار، ان کے افادی پہلو، مضرات کے

امکانات، اور بعض بنکوں اور کمپنیوں کی تاریخ و سرگذشت پر مضامین ہیں، مضامین سطحی اور اچھے دونوں قسم کے ہیں، بعض مضامین میں تشنگی باقی رہگئی ہے، اسی طرح ضرورت ہے کہ رسالہ کو مذہبی مباحث سے بچایا جائے، اور کسی فرد یا جماعت پر نکتہ چینی کرنے میں اس کے حدود ایسے قائم رکھے جائیں کہ پیرایۂ بیان دلآزار نہ ہو، اگرچہ اکثر مضامین کا انداز بیان شگفتہ ہے، لیکن بعض جگہ صحت زبان کی خامی ہے، اسی طرح لکھائی کی غلطیاں بھی ہیں، رسالہ مصور ہے، لیکن پہلے ہی پرچہ میں اپنی آپ تصویر چھاپنا کچھ موزون نہیں معلوم ہوتا،

بہرحال یہ خردہ گیریاں ہیں، اور لائقِ اعتنا بھی نہ ہوتیں، اگر ہمیں ذاتی طور پر رسالہ کی ترقی کی آرزو نہ ہوتی، کہ سرزمین بہار اردو صحافت کے لیے نہایت شور واقع ہوئی ہے، اور یہ ایک اچھا خاصہ ایسا معیاری رسالہ وہاں سے نکل آیا ہے، جو اپنے موضوع کے لحاظ سے یک گونہ اردو زبان میں منفرد ہے، ہمیں جناب قاضی سید احمد حسین اور سید محمد جلیل صاحب کی توجہ اور ہمت سے توقع ہے کہ یہ رسالہ اپنا مستقل وجود قائم کرلیگا،

مدرس امروہہ (ماہانہ) مدیر جناب محمد نبی خانصاحب قادری، حجم ۳۲ صفحے، قیمت سالانہ عہ

پتہ:- امروہہ، مراد آباد، یوپی،

مدرس، انجمن اصلاح مسلم مدرسین یوپی کی سرپرستی میں نکلا ہے، مختصر تاریخی اور ادبی مضامین کے علاوہ تعلیمی مسائل پر بھی مضامین ہوتے ہیں، ایجوکیشنل کوڈ یوپی، کا اردو ترجمہ اس رسالہ میں بالاقساط چھپ رہا ہے،

معصوم، رنگون، (ماہانہ) نگران جناب ایم۔ ای مائت صاحب، ایم اے، حجم ۳۲ صفحے، لکھائی چھپائی معمولی، قیمت سالانہ عہر، پتہ بر مکان نمبر ۸۶، گلی نمبر ۲۷، رنگون، (برما)

رسالہ معصوم ہندوستان کے اس دور دراز صوبہ سے نکلا ہے، جسے آجکل جغرافی و سیاسی وجوہ سے ہندوستان سے الگ کیے جانے کی کوششیں بھی ہو رہی ہیں، اور یہ دراصل زبان اردو کی مقبولیت کی ایک بڑی نشانی ہے، رسالہ چھوٹے بچوں اور بچیوں کے لیے ہے، اور انہی کے لائق مضامین نظم و نثر شائع ہوتے ہیں، مضامین پر از معلومات اور سبق آموز ہوتے ہیں، رسالہ ایک سال سے کامیابی کیساتھ جاری ہے،

زبان ہند، کراچی (ماہانہ) اڈیٹر جناب ہر گوبند پرشاد نگم ایم اے، دہلوی، حجم ۵۰ صفحے، قیمت سالانہ ستے،

پتہ :- جونا مارکیٹ، کراچی، (سندھ)

"زبان ہند" سندھ کا غالباً واحد اردو رسالہ ہے، جو ایک باہمت ہندو اہل قلم کی ادارت میں اس مقصد وحید کیساتھ نکلا ہے کہ اردو زبان ہندوستان کی واحد مشترکہ زبان ہے، اسلئے اسکو بلا تفریق مذہب و ملت سب میں رائج کرنا چاہیئے، اس کا پہلا نمبر بابت ماہ جنوری ۳۳ء سامنے ہے، اس مین جناب روشن صدیقی امروہوی نے "سندھ مین اردو" کو دکھایا ہے اور ولی، ضیاء الدین ضیا اور باقر شہید کے اشعار پیش کرکے اردو زبان کی تعمیر مین صوبہ سندھ کے حصہ کو نمایان کیا ہے، دوسرے مضامین بھی اچھے خاصے ہین، ضرورت ہے کہ اس رسالہ کو زندہ رکھا جائے کہ سندھ مین اردو کی مفید خدمت انجام پائے،

افسانہ لاہور (ماہانہ) حجم ۴۸ صفحے، لکھائی چھپائی معمولی، قیمت سالانہ عہ، پتہ :- پوسٹ بکس نمبرہ ۲ لاہور

"افسانہ" اسم بامسمّٰی ہے، اس کے دو پرچے دیکھنے مین آئے، اسکو آنریبل کپتان سر سردار سکندر حیات خان کی سرپرستی حاصل ہے، شاید اسی مناسبت سے اس کے پہلے پرچہ مین ملک کے اکابر اور مشاہیر ادب کے بکثرت پیغامات افسانہ کے استقبال مین شائع ہوئے ہین، رسالے کے پہلے پرچہ کے مدیر جناب نذیر نیازی بی اے تھے، لیکن دوسرے پرچہ سے اسکی ادارت جناب ملک محمد اسلم خان ایم اے، (کیمبرج)، بیرسٹر ایٹ لا، ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ ایم اے پی ایچ ڈی اور جناب سید عابد علی صاحب عابد ایم اے کے ہاتھون مین آئی ہے، مضمون نگارون کی فہرست مین ملک کے اچھے افسانہ نویس پریم چند وغیرہ شامل ہین، اور مضامین مین افسانے یا افسانون پر تنقیدین ہوتی ہین اور افسانون مین یورپ کے مشہور افسانہ نویسون کے افسانون کے ترجمے زیادہ ہوتے ہین، توقع کیجا سکتی ہے کہ اگر رسالہ جاری رہا، اور اسی طرح اسکو قلمی معاونین ملتے رہے تو ایک کامیاب ادبی رسالہ ثابت ہوگا،

میخانہ، لکھنو (ماہانہ) اڈیٹر جناب اسد انصاری، حجم ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ عہ، پتہ :- پارچہ والی گلی، لکھنو

"میخانہ" کچھ دنون پہلے جاری ہو کر بند ہو گیا تھا، اب نئے اہتمام سے پھر نکلا ہے، یہ ایک ادبی رسالہ ہے جسمین چند غزلین اور چند افسانے ہوتے ہین، "میخانہ" کو ایک مجذوب صفت کہنہ مشق شاعر خواجہ عزیز (سابق ڈپٹی کلکٹر حال ڈپٹی انسپکٹر مدارس یوپی) کی امداد حاصل ہو گئی ہے، اکثر پرچہ مین ان کا کلام نظر آتا ہے،

اقبال وزیر آباد (ماہانہ) مدیر جناب تبسم قریشی، حجم ۴۸ صفحے، قیمت درج نہین، پتہ :- وزیر آباد (پنجاب)

"اقبال" ایک ادبی رسالہ ہے، جو ڈاکٹر سر اقبال کے اسم گرامی سے معنون اور جناب خان بہادر نواب احمد یار خان دولتانہ، ام ال سی، کی سرپرستی مین جاری ہوا ہے، افتتاحیہ مین جو "اشارات" کے نام سے ہے، سیاسی مباحث پر بھی رائے زنی کیجاتی ہے، مضامین نظم و نثر اچھے خاصے ہین،

معیار: کلکتہ (ماہانہ مصور) اڈیٹر جناب ڈاکٹر فیض قادری، و جناب ابراہیم شاد، ۳۰ صفحے، قیمت سالانہ عہ،

پتہ :- ۴ امرتلہ لین، کلکتہ،

یہ بھی ایک ادبی رسالہ ہے، جو شرقی ہند مین اردو رسالون کی کمی کو پورا کرنے کے لیے نکلا ہے، بنگال کے شعراء اور ارباب ادب اردو کا تذکرہ اس مین خصوصیت سے ہوگا، پہلے پرچہ مین بنگالی زبان کے مسلمان شاعر قاضی نذر الاسلام کے سوانح اور ترجمہ کلام درج ہے،

علم و عمل لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب کو براج ہرنام داس بی اے، ۵۲ صفحے، قیمت سالانہ عہ، پتہ :- بالمقابل اڈہ تانگہ، لوہاری، لاہور،

یہ ایک ادبی اور معاشرتی اصلاح کا رسالہ ہے، رسالہ کو دلچسپ بنانے کی کوشش کیجاتی ہے، بعض مضامین دلچسپ اور مفید ہین

جوہر، مراد آباد (ماہانہ) اڈیٹر جناب فاضل چغتائی، ۴۴ صفحے، قیمت سالانہ عہ، پتہ :- ادبی محل مراد آباد،

مولانا محمد علی مرحوم کی یادگار مین "جوہر" کے نام سے ایک رسالہ اس سے پہلے نکل چکا تھا، اب اسی نام سے یہ دوسرا رسالہ نکلا ہے، اس کا چھٹا نمبر بابت ماہ اپریل ۳۳ء سامنے ہے، مضامین سطحی قسم کے ادبی ہین، ایک مضمون مولنا محمد علی پر بھی ہے، اور ایک صفحہ پر انکی ایک غزل انھین کے ہاتھ کی تحریر کے عکس مین شائع ہوئی ہے،

حاذق، دہلی (ماہانہ) مدیر جناب حکیم سید محمد حسن صاحب رضوی، و جناب حکیم سید عطاء الرحمن صاحب، ۴۰ صفحے

قیمت سالانہ عہ رپتہ :- قرول باغ، دہلی،

یہ ایک طبی رسالہ ہے جسکو طبیہ کالج دہلی کے بعض فارغ التحصیل طلبہ نے فن طب کی خدمت کیلئے نکالا ہے، رسالہ کو طبیہ

کالج کے بعض سابق اساتذہ کی قلمی امداد بھی حاصل ہے، رسالہ کی ترتیب اچھی اور مضامین گو مختصر مگر پڑھنے کے لائق ہین، اطبا و

غیر اطبا دونون فائدہ اٹھا سکتے ہین،

تبصرۃ الاطباء لاہور (ماہانہ) حجم ۴۸ صفحے، قیمت سالانہ سے رپتہ :- فلیمنگ روڈ، لاہور،

رسالہ تبصرۃ الاطبا پانچ چھ اڈیٹرون کی ادارت مین نکلا ہے، اور ان مین سے ہر ایک کو ممتاز القاب و انتسابات

مثلاً "بقراط زمان" "حکیم حاذق" "ممتاز الاطبا" "زبدۃ الحکما" وغیرہ سے یاد کیا گیا ہے، مضامین مین طب قدیم و جدید دونون کی تطبیق کی کوشش

اس ششماہی مین ذیل کے چند نئے اخبارات ہمین موصول ہوئے،

دستور دہلی، (مصور ہفتہ وار) اڈیٹر جناب آزاد دہلوی، ۳۰ صفحے قیمت سالانہ سے ہر پرچہ

۲ ر پتہ :- کوچہ چیلان، دہلی،

"دستور" دہلی سے، دہلی کے ہفتہ وار اخبار ریاست کے طرز اور اسی تقطیع اور ترتیب پر نکلا ہے، یہ اخبار اس حیثیت

سے قابل قدر ہے کہ سیاسیات مین اسکی رائے آزادانہ ہے، اسلامی حقوق کی صحیح نمایندگی کیساتھ وطن کی حقیقی خدمت بھی

اس کے مدنظر ہے، اسی طرح اسکے افسانون علمی اور تعلیمی مضامین، نظمون غزلون اور معلومات کے صفحے بھی اچھے اور پڑھنے

کے لائق ہوتے ہین، جو مختلف مستقل عنوانون سے شائع ہوتے ہین، اس سے اردو کی اسلامی صحافت مین ایک مفید اضافہ ہوا ہے،

خادم کلکتہ (ہفتہ وار مصور) اڈیٹر جناب میر حشمت علی افقتی، حجم ۱۲ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰ قیمت

سالانہ ہے ہر پرچہ ۱ر پتہ :- نمبرہ گنگا دھر بابو لین، کلکتہ،

"خادم" کو سیاسی اخبار کہنے کے بجائے، ہفتہ وار رسالہ کہنا زیادہ موزون ہوگا، جس نے دین و دنیا کو

اپنے دو گوشون مین یکجا کرنا چاہا ہے، ایک طرف مذہب کا حامی، زبان اردو کا خادم، اردو کے شعر و ادب کا ناقد

ہے، اور دوسری طرف فلم اسٹیج کا مبلغ ہے، اس مین انھی موضوعات پر مسلسل اور مختصر مضامین، شذرے، اور افسانے

نکلتے ہین،

صداقت سری نگر، (ہفتہ مین دوبار) اڈیٹر جناب عبد الرحیم ایم اے، ال ال بی، حجم ۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۴

قیمت سالانہ للعہ ہر پرچہ ۱ر پتہ :- سری نگر، کشمیر،

"صداقت" مسلمانان کشمیر کا ترجمان ہے، اس نے اپنا مسلک یہ بتایا ہے کہ "وہ تحریک کشمیر کا سچا حامی،

حکومت کشمیر کا بہترین مشیر، اور برادران وطن کا معاون و مددگار ہوگا، مسلمانون کے حقوق کی پاسبانی کرے گا،

اور کشمیر کی مختلف قومون مین یگانگی اور اتحاد پیدا کرنے کی بھی کوشش کریگا،

الواحد بجنور (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب عبد الواحد صاحب، حجم ۸ صفحے، تقطیع ۲۲×۱۸/۲ قیمت سالانہ

سے ر ہر پرچہ ار پتہ :- الوحید پریس، بجنور، یوپی،

الواحد کے اجرار کا مقصد غیر فرقہ وارانہ طور پر ملک کی خدمت کرنا بتایا گیا ہے، اس کا ایک نمبر دیکھنے مین آیا،

خبرون کا انتخاب معقول ہے، اور بعض مضامین بھی دلچسپ ہین،

"ر"

رسالہ ندیم گیا

ندیم مشرقی ہندوستان کا واحد اردو ادبی مصور رسالہ ہے جو اپنی گوناگون خصوصیات کے باعث ہندوستان

مین بالعموم اور صوبہ بہار مین بالخصوص بے حد قبولیت حاصل کر رہا ہے،

ندیم ہر ماہ

۸۰ صفحات کے بہترین مضامین کیساتھ جبین بلند پایہ **مقالات**، **اخلاقی افسانے**، اور پرکیف **نظمین** اور پیٹ مین

بل ڈالدینے والے **مزاحیہ مضامین** ہوتے ہین، اچھے کاغذ بہترین لکھائی چھپائی کے ساتھ شائع ہوتا ہے، اس کے علاوہ

ہر پرچہ مین متعدد دلکش تصاویر بھی ہوتی ہین، ان خوبیون کے باوجود قیمت سالانہ للعہ ر ششماہی عہ، محصولڈاک ذمہ خریدار

نمونہ کا پرچہ ۶ر کے ٹکٹ بھیجکر طلب فرمائیے، **ملنے کا پتہ** :- دفتر ندیم گیا (صوبہ بہار)

مطبوعاتِ جدیدہ

طلسمِ زندگی، تصنیف جناب بشیر احمد صاحب بی اے (آکسن) بیرسٹرایٹ لا، حجم ۳۰۰ صفحے،

قیمت :- صہ پتہ :- منیجر ہمایون، المنظر، ۲۳ لارنس روڈ، لاہور،

میان بشیر احمد صاحب بی اے (آکسن) بیرسٹرایٹ لا، ایک ایسے خوش مذاق مغربی تعلیم یافتہ ہین، جنھین اردو ادب کا پاکیزہ مذاق عطا ہوا ہے، موصوف اپنی گوناگون مصروفیتون کے باوجود اپنے ادبی رسالہ ہمایون کو ایک رفتار سے چلا رہے ہین، جس کی ہر اشاعت مین ان کے قلم کی کوئی نہ کوئی گلکاری ضرور ہوتی ہے، وہ اکثر چھوٹے چھوٹے جملون اور فقرون مین اپنے لطیف خیالات اور غور و فکر کے انمول موتی صفحۂ قرطاس پر بکھیر دیتے ہین "طلسمِ زندگی" انھی گلہاے رنگارنگ کا ایک خوشنما اور دلآویز گلدستہ ہے، جو اپنی ظاہری و معنوی دونون حیثیتون سے دلفریب اور قابل قدر ہے،

یہ مختصر مضامین اپنی اپنی مناسبت سے مختلف عنوانون "مناظر" "صداے روح" "آئینۂ دل"، "جد و جہد" "سرگوشیان" اور "خیالات پریشان" مین منسلک کردیئے گئے ہین، اور گویا ان مین سے ہر عنوان "طلسمِ زندگی" کا ایک مفتاح باب ہے جس کا آغاز ایک ایک رنگین اور منقش صفحہ سے ہوتا ہے، کتاب دبیز آرٹ پیپر پر اس اہتمام سے چھپی ہے کہ شاید سعی جستجو کے باوجود ساری کتاب مین ایک داغ اور دھبہ نظر نہ آئے، اسی طرح مضامین کی مناسبت سے تقریبًا ۲۰، ۲۲ رنگین تصویرین ہین، جنمین سے اکثر مشہور نقاشون اور مصورون کے کمالات کی ممنون ہین،

لیکن ہمارے نزدیک کتاب کی اس ظاہری زیبایش و آرایش سے زیادہ لائقِ ذکر ایک مغرب پسند کی مشرق نوازی ہے، قلم مغربی ہے، مگر زبانِ قلم سے جو بات نکلی ہے، وہ مشرق کے خیالات مین ڈوبی ہوئی ہے، انھی چند سو مضمونون مین مشرقی خیالات کی ترجمانی، مشرقی تہذیب کی ستایش، مشرق کے اخلاق و موعظت کے حکیمانہ اصول اور مشرقی تہذیب و تمدن کی دلپذیر تصویر کا جلوہ نظر آتا ہے، نمونہ کے لیے "چند بند" اور چند بند (جدید اڈیشن "نئی اور پرانی دنیا" دیکھیے، اسی طرح فطرت انسانی کی صحیح مصوری اور معاشرت انسانی کی صحیح نقاشی "بڑے آدمی" "رشتہ دار" اور "خوش قسمت کون ہے" وغیرہ مین نظر آتی ہے، اور پھر مناظر، صداے روح "آئینۂ دل اور جد و جہد" وغیرہ مصنف کے تخیلات کی بلندی، جذبات کی مصوری، انسانی فطرت شناسی، اور روح کی پاکیزگی کی آئینہ دار ہین، اور اگر خردہ گیری کیجائے، تو خامیان کہان نہین، لیکن ایک بے داغ، صاف ستھری چھپی ہوئی کتاب پر خردہ گیریون سے دھبے لگانا شاید ذوق و لطافت کے بھی خلاف ہو،

سیرت رسول اللہ، تالیف جناب سید نواب علی صاحب رضوی ایم اے ایجوکیشن ممبر اسٹیٹ کونسل حجم ۳۹۲ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت قسم اول ایک روپیہ، قسم ثانی ۱۲ آنے، دار المصنفین سے مل سکتی ہے،

اس کتاب کے مؤلف ہمارے نئے تعلیم یافتون مین، اردو سیرت کے سب سے پہلے مصنف ہین، اب جبکہ موصوف کے علم و تحقیق کا مرتبہ پہلے سے بہت بلند ہوچکا ہے "سیرت رسول اللہ" کے نام سے ایک اور کتاب لکھکر پیش کی ہے، اس کی تالیف مین مؤلف نے سیرت کے قدیم ماخذون کے علاوہ یورپ کے اہم مخالفینِ اسلام کی ان تصنیفات کو بھی سامنے رکھا ہے، جو سیرت پر اس وقت تک لکھی گئی ہین، اور پھر اس طور پر اپنی تالیف مرتب کی کہ مخالفین کے اعتراضات بغیر الجھے ہوئے، دفع ہون، اور اصل حالات آئینہ ہوجائین، اور اس طرح آنحضرت صلعم کی سیرت کے تقریبًا تمام ابواب نقد و نظر کے ساتھ اجمالًا روشناس کردیئے ہین، اور سیرت کے مسائل مہمہ کو غور و فکر اور استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے، لیکن ضرورت تھی کہ مؤلف موصوف اسے اردو مین لکھنے کے بجائے انگریزی زبان مین لکھتے کہ انگریزی زبان مین ایسی سیرتون کی زیادہ ضرورت ہے، البتہ اس کا افسوس ہے کہ مصنف نے مخالفین کے اعتراض کے خوف سے سیرت کی بعض ایسی روایتون سے انکار کرنا مناسب سمجھا ہے، جنکو اب تک صحیح سمجھا جاتا رہا ہے، اور ان کی کمزوریِ تحقیق سے اب تک ثابت نہین ہوئی ہے، اگر یہ کتاب اس عیب سے خالی ہوتی تو بہت خوب ہوتی،

نیرنگ زندگی، از جناب ملا رموزی، حجم ۳۱۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ پتہ :- جناب غلام دستگیر صاحب تاجر کتب چارکمان، حیدرآباد، دکن،

جناب ملا رموزی مزاحیہ مضمون نگاری مین خاصی شہرت حاصل کرچکے ہین "زندگی" انہی کے چند فکاہی مضامین کا مجموعہ ہے، جو اکثر رسالون مین وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہین، ابتدا مین ملا صاحب نے ایک دیباچہ منسلک کیا ہے، جس مین اردو زبان مین ظرافت نگاری پر تبصرہ کیا ہے، ملا صاحب اپنے مضامین مین علاوہ اس حصہ کے جو "درمدح خود میگویم" کا مصداق ہوتا ہے، ہنسی ہنسی مین بعض کام کی باتین کہہ جاتے ہین، خصوصاً ان کی نظر گھریلو زندگی اور مجلسی معاشرت دونون پر رہتی ہے، اور اس لحاظ سے ان کی تحریر سے معاشرتی اصلاح کی خدمت بھی انجام پاتی ہے،

روح جذبات، حجم ۷۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت عہ مرتبہ: جناب عشرت رحمانی، دفتر رسالہ نیرنگ دہلی،

جناب اکبر حیدری، اردو کے روشناس ادیب اور شاعر ہین، ان کی چند نظمون اور غزلون کا مجموعہ روح جذبات کے نام سے شائع ہوا ہے، اکبر حیدری کی شاعری مین تخیل آفرینیان ہین، اور وہ جو کچھ کہتے ہین اسے وہ اپنے عزم و یقین اور ترتیب و توازن کے ساتھ پیش کرتے ہین، طریقۂ ادا سلیس اور سادہ ہے، مغلق اور بے معنی فارسی ترکیبین نظر نہین آتین، اگر خردہ گیری کیجائے تو خامیان بھی نظر آئینگی، ہمارے نومشق اردو شعراء اس مجموعہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہین، اکبر حیدری کی شاعری پر مجموعہ کی ابتدا مین چند اہل قلم کی دو دو لفظون مین تقریظین ہین، اگر اس مجموعہ کو ان دو لفظی تقریظون سے معرا رکھا جاتا تو مناسب ہوتا،

نظام الفوائد، حصۂ اول و دوم، از مولوی ابوالحسن محمد صابر صاحب اعظمی، مدرسہ مظہر العلوم بنارس، حجم چھوٹی تقطیع کے ۱۰۳، ۱۰۹ صفحے، قیمت ہر ایک کی ۲ر، مولف سے مل سکتی ہے،

نظام الفوائد، فارسی قواعد کا رسالہ ہے، حصۂ اول مین صرف کے مسائل ہین، اور آخر مین پورا [illegible] نقل کیا گیا ہے، اور دوسرے حصہ مین نحوی مسائل درج ہین، مسائل کو سلجھا کر بیان کیا گیا ہے، اور متعدد مثالون سے واضح کیا گیا ہے، زبان آسان اور طرز ادا سہل ہے، رسالہ بچون کے پڑھانے کے لائق ہے،

"ض"